

شاہراہ فکر و عمل پر ہم سہاگ کا چراغ

ماہنامہ الْمَحْجَّةُ

آن لائن

شمارہ نمبر 04

ستمبر 2020

• ماہِ محرم اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

• علمِ عقیدہ کے دیگر نام (توحید، شریعت، سنت)

• عذابِ قبر کا بیان (حصہ دوم)

• ماہِ محرم؛ فضائل و مسائل

• سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا متروک پہلو

• فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے ائمہ اہل سنت کی نظر میں

• فقید ملت حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ (انٹرویو)





فرقہ واریت ختم ہونی چاہیے!

اس بات پر تمام فرقے متفق ہیں کہ ”فرقہ واریت ختم ہونی چاہیے۔“ لیکن ہر گروہ اس نعرے سے اپنی من پسند مراد لیتا ہے۔ ایک ٹولہ تو محض وہ ہے جو فرقوں کو ہتھیار بناتے ہیں اسلام پر ہاتھ صاف کرنے کے لیے۔ مغرب سے خوراک پوری کرتے ہیں، اور پاخانے کے لیے مشرق میں چلے آتے ہیں۔ نماز نہیں پڑھتی تو بھونڈی سی ہنسی کے ساتھ کہ دیا کس فرقے کی نماز؟! تم مولوی پہلے خود تو اکٹھے ہو جاؤ۔

ایک گروہ کے ہاں اس کا معنی یہ ہے کہ سب ہمارے فرقے میں آ جائیں۔ شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر تبرے پڑھنا شروع کر دیں، عقیدہ امامت کو تسلیم کر لیں، دخترانِ پیہر علیہ السلام کا انکار کر دیں۔ بس فرقہ واریت ختم ہے۔ بصورت دیگر فرقہ واریت پھیلے گی! کچھ اعتدال کے مارے اس سے مراد یہ سمجھتے ہیں کہ ہر فرقے سے موعودہ خیر لے کر معجون بنالی جائے تو فرقہ واریت ختم ہو جائے۔ فلاں کی توحید، فلاں کا عشق رسول ﷺ، فلاں کا دفاع صحابہ اور فلاں کا حب اہل بیت ”جیسے ہے“ کی بنیاد پر لے لیں، اس کا پرچار کریں۔ آپ فرقہ پرستی سے آزاد کہلا سکیں گے۔

فی زمانہ اس منشور یعنی ”ہمارا کوئی فرقہ نہیں“ کی بنیاد پر باقاعدہ فرقے بھی بن گئے ہیں۔ جب جی چاہے کسی بھی عالم یا معتبر شخصیت پر ہاتھ صاف کر لیا، کسی کے نظریے کو رو دیا، کسی کی عقیدت کا خون کر دیا۔ دلیل یہی ہے کہ ہم فرقہ پرست نہیں علمی کتابی لوگ ہیں، جس فرقے کو چاہیں جس انداز سے رد کریں۔ کسی معقول توجیہ یا عقلی و نقلی دلیل کی بھی ضرورت نہیں۔ ایک وقت میں کچھ نابغوں کو اس کا یہ مطلب سمجھ آیا تھا کہ اگر ہم اپنا نام مسلمان رکھ لیں تو ہم فرقہ پرستی سے آزاد ہو جائیں گے۔ پھر چاہے تمام مسلمانوں کو اسلام سے دیس نکالا دے دیں، ہم رجسٹرڈ ٹھیکیدار جو ہوئے۔

ہماری گزارش بھی یہی ہے کہ فرقہ واریت ختم ہونی چاہیے۔ بس آیت شروع سے پڑھیں۔ ﴿وَاعْتَصِبُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا - وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ اللہ کی رسی کو سب مضبوطی سے تھام لو، تفرقہ ختم ہو جائے گا۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ اللہ کی رسی اللہ کی وحی ہے اور بس۔ پس جس فرقے نے جو بھاشن دینا ہے، اللہ کی وحی سے نکال کر لائے۔ جس کا دعویٰ ہے کہ غیر اللہ کی نذر و نیاز حرام ہے، وہ اپنی دلیل لے آئے۔ جس کا خیال ہے کہ کسی امام، ولی، صوفی کی تقلید یا بیعت بھی لازم ہے، وہ اس کا ثبوت لے آئے۔ جس کا ماننا ہے کہ بارہ ائمہ معصومین کا قلابہ ہی باعث نجات ہے، وہ اس متعلق کو کوئی نص لے آئے۔

فرقہ ناجیہ کی صفت ہے کہ وہ ظاہر اور واضح ہوگا۔ قیامت تک ہوگا۔ اللہ کی رسی کو یوں تھاما ہوگا کہ اپنی ہر اصل اور فرع کو وحی الہی سے ثابت کر دے۔ مخلصانہ کوشش کرنے والے اللہ کی توفیق سے اسے پالیتے ہیں، اور اس کی چاشنی محسوس کرنے کے بعد اس کی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اللہ ہمیں فرقہ ناجیہ میں شامل فرمادے۔

(فیضانِ فیصل)

ماہنامہ الْمَحْجَّةُ اَن لَّان

ستمبر 2020

محتویات

- 04 ماہِ محرم اور شہادتِ حسین ؑ
مولانا امام الدین عسکریؒ
- 07 علم عقیدہ کے دیگر نام (توحید، شریعت، سنت)
اسلامی عقائد اور باطل نظریات: 3
عبدالوہاب انجم
- 12 قبر کے عذاب کا بیان (حصہ دوم)
عمر عبدالسلام
- 18 ماہِ محرم: فضائل و مسائل
عادل عبدالرحمن
- 23 سیدنا حسین ؑ سے محبت کا متروک پہلو
ابوالوفا محمد حماد اثری
- 26 فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے ’ائمہ‘ اہل سنت کی نظر میں
حافظ طاہر بن محمد
- 37 فقہیت حافظ صلاح الدین یوسف ؒ سے اثر و لو
علاء الدین سعیدی

رابطہ برائے تبصرہ و تجاویز / مضامین و مراسلات:

☎ 00923406007170 00966583089571 00923039438696

✉ almahajjah100@gmail.com

مضمون ہر صورت شمسِ ماہ کی 10 تاریخ سے قبل بھیج دیں۔

ماہ محرم اور شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ

مولانا امام الدین مظفر گکری کرمالوی رحمہ اللہ

یہ مضمون رسالہ محدث (دہلی) جلد ۶، شمارہ ۱۰، فروری ۱۹۳۹ء سے ماخوذ ہے۔ مضمون نگار دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے وابستگان میں سے ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں موصوف نے انتہائی سادہ اور ناصحانہ انداز میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ سے متعلقہ بدی افکار و رسوم پر تنبیہ فرمائی ہے۔ جزا اللہ خیر

ہر وہ قوم جو دنیا میں عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتی ہے اور اپنے آپ کو ترقی کے اعلیٰ مدارج پر دیکھنا پسند کرتی ہے، اس کا ہمیشہ سے یہ طریقہ اور دستور چلا آ رہا ہے کہ وہ اپنے ہم عصروں سے سبقت لے جانے اور ترقی یافتہ قوموں کے دوش بدوش چلنے میں مختلف قسم کے ذرائع کو اپنے لئے لائحہ عمل بناتی ہے، اگر ایک طرف اپنی مالی حالت کو درست کرنے کے لئے تجارت کو ترقی دی تو دوسری طرف اپنی ہمسایہ قوم کو علم و فضل کے ذریعہ مرعوب کیا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلاف کے کارہائے نمایاں کو دنیا کے سامنے ایک ایسی صورت میں پیش کرتی ہے جس سے مخالفین کے سامنے اپنی زندہ دلی کا ثبوت پیش کرنا ہوتا ہے، یہ چیزیں ایسی نہیں ہیں جو کسی خاص جماعت یا خاص قوم سے تعلق رکھتی ہوں بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں ان چیزوں کا اثر پایا جاتا ہے۔ انہیں میں مسلمان بھی ہیں، ہاں وہ مسلمان قوم جو دنیا کو تعزذلت سے نکال کر راہ راست پر لانے اور ترقی کے انتہائی مدارج پر پہنچانے کی غرض سے پیدا ہوئی تھی۔ چنانچہ اس پر ایک ایسا وقت بھی گزرا ہے جبکہ اس نے اپنے اصلی مقصد میں نمایاں ترقی حاصل کی اور تمام دنیا کو اپنے سامنے جھکا دیا تھا۔

مگر افسوس اب یہی مسلمان ہے جس کے لئے ترقی کے تمام راستے بند ہیں نہ تجارت ان کے ہاتھ میں نہ علم و فضل میں کچھ مہارت، سوائے اس بات کے کہ اپنے اسلاف کے زیریں واقعات بطور افسانہ پڑھ کر دل خوش کر لیں اور بس، اس قدر بے پروائی سے کام کر جاتے ہیں جس سے سوائے نقصان کے اور کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً جب ہم اپنے اسلاف کے واقعات کو بیان کرتے ہیں تو کہیں پر افراط اور تفریط سے کام لیتے ہیں اور کہیں پرسکوت۔

اسی ماہ محرم ہی کو لے لیجئے جو کچھ روز کے بعد شروع ہونے والا ہے۔ غور کیجئے مسلمان اس کی پہلی دس تاریخوں میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی یاد تازہ کرنے میں کس قدر غلط رسومات کو رواج دیتے ہیں جن کا ثبوت نہ قرآن و حدیث میں ہے اور نہ کسی امام نے اس کی اجازت دی۔ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے افسوسناک اور جگر سوز حادثہ نے انسانوں کے دلوں پر بہت گہرا اثر کیا۔ لیکن اگر شہدائے اسلام کی یاد ہی تازہ کرنی ہے اور ان کی موت کو یاد کر کے رونا ہے تو پھر یہ کس قدر بے انصافی کی بات ہے کہ مسلمان ہر سال صرف ایک حادثہ کی یاد تازہ کریں۔ حالانکہ اسلام کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے بعض واقعات تو ایسے ہیں کہ ان کو اگر تعصب کی پٹی آنکھوں سے دور کر کے دیکھا جائے تو ایک حقیقت پسند اور دردمند انسان کی نظر میں واقعہ کربلا سے زیادہ حسرتناک معلوم ہوں گے اور بدن کے رو گنگنے کھڑے ہو جائیں گے۔

مسلمانو! انصاف کی نظر سے دیکھو، اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچو اور تلاؤ آیا وہ شخص زیادہ مظلوم ہے جس نے نہ فوج کو لڑائی کے لئے تیار کیا ہو اور نہ میدان جنگ کی طرف چلا ہو، بلکہ اپنے گھر میں خاموش بیٹھا ہوا لہذا کی یاد کرتا ہو۔ پھر ایسی حالت میں دشمنوں نے مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہو اور باہر نکلتا بھی اس کے لئے دشوار ہو۔ اسی پر اتکنا نہیں بلکہ باہر سے کھانے پینے کا سامان بھی بند کر دیا۔ اب اس سے پوچھئے جس کے پاس نہ پانی نہ اور کوئی ضرورت کی چیز لیکن پھر بھی صبر و سکون کے ساتھ لایا می میں مشغول ہوا اور پھر اچانک اس بیچارگی کی حالت میں زہر آلود تلواریں اس پر حملہ کر کے اس کو دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت کر دیا جائے! یا وہ شخص اس سے زیادہ مظلوم ہے جو میدان کارزار میں مع اپنے اہل و عیال کے برسرِ پیکار ہوا اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارتا ہوا دفعتاً دشمنوں کے زغہ میں آکر شہید کر دیا جائے۔

غالباً آپ کی عقلِ سلیم اس شخص کی مظلومیت کو زیادہ اہم خیال کرے گی جو پہلی حالت میں مقتول ہو، اور دوسری صورت کی مظلومیت بمقابلہ اس کے کم ہوگی۔ پس آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ امام حسینؑ کی شہادت دوسری صورت میں ہوئی ہے اور حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پہلی صورت سے متعلق ہے۔ آپ کو بلاویں نے بہت سخت صدمات پہنچائے، مکان کا محاصرہ کیا، باہر سے پانی کا جانا موقوف کر دیا، پھر اچانک ایک دشمن نے آکر ایسی حالت میں جبکہ آپ قرآن پاک جیسی مقدس کتاب کی تلاوت فرما رہے تھے بے رحمانہ انداز میں آپ کو شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اسی طرح حضرت عمر فاروقؓ جس وقت صبح کی نماز پڑھا رہے تھے، عین نماز کی حالت میں دفعتاً ابولؤلؤ نے برہمچے سے حملہ کر کے آپ کو زخمی کر دیا جس کی وجہ سے آخر آپ کی روح ملأِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ کیا آپ نے حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ نہیں سنا کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کی نعش کی کسی بے حرمتی کی گئی، آپ کا سینہ چیر کر کیچہ نکال کر چپایا گیا۔^[۱] آپ کے کان اور ناک کاٹ کر چہرہ ہی بگاڑ دیا گیا۔ جسے دیکھ کر حضور ﷺ کا بھی دل بھرا آیا۔ لیکن نوحہ نہیں کیا اور نہ اس طرح واویلا کیا جس طرح آج کل لوگ حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر ہر سال محرم میں کرتے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ کے ساتھ کسی رشتہ سے قطع نظر کرتے ہوئے حق کی حمایت میں مظلومانہ طور پر مقتول ہونے کی حیثیت سے حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں وہ کوئی غدرت اور انوکھی خصوصیت ہے جس کے لئے مسلمان اس قدر خلاف شرع اودھم مچاتے ہیں اور جس پر میرے پڑھنے کے لئے سال بھر تک مشق کی جاتی ہے۔

میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی طرح دیگر شہداء پر بھی نوحہ خوانی کی جائے یا ان جائیداد اسلام اور فدا یا ان حق و صداقت کو بالکل ہی بھلا دیا جائے۔ حاشا وکلا۔ بلکہ میرا یہ مقصد ہے کہ اس طرح بزدلانہ اور نامشروع طریقہ پر رونے چلانے کے بجائے ان کے جیسی ہمت، جرات، جانبازی اور جا ثاری کا جذبہ پیدا کریں۔ باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ رکھنے کے لئے اپنی جان کو قربان کر دینا ہی اپنی سعادت سمجھیں، کس قدر تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہو جانے پر مسلمان عورتیں بھی اس قسم کی لغو حرکتیں نہیں کرتی تھیں۔ چہ جائیکہ مرد اور وہ بھی جماعت کی جماعت مل کر گنگی گلیاں لاتے پھریں۔ مسلمانو! میں سچ عرض کرتا ہوں کہ حضرت امام حسینؑ جیسا بہادر اور مردِ حق تمہاری اس نامردانہ حرکات سے کبھی بھی خوش نہیں ہوگا۔ اگر خدا کے سامنے ان سے اس معاملہ میں پوچھا گیا تو وہ صاف فرمادیں گے کہ خدایا میں ان سب سے بیزار ہوں۔ شیعوں کے یہاں جو کچھ ہوتا ہے اس کو تو چھوڑیے۔ حسرت تو ان سنہوں پر ہے جو اپنے کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقلد اور مذہبِ حنفی کا پابند کہتے ہیں، وہ بھی اس رسم میں پوری پوری شرکت کرتے ہیں اور ثواب دارین کا کام سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کا ثبوت خود ان

[۱] یہ بات صحیح سند سے ثابت نہیں۔ واللہ اعلم (ادارہ)

ماہِ محرم اور شہادتِ حسینؑ

کی کتابوں میں بھی کچھ نہیں ہے۔ تعزیہ بنانے اور اس کو گلی گلی گھمانے کی رسم تو رسول اللہ ﷺ کے تقریباً ایک ہزار سال کے بعد تیورلنگ بادشاہ کے زمانے میں پیدا کی گئی، تمام ائمہ اس کے خلاف ہیں۔

پس حنفی بھائیو! اللہ کا خوف کرو اور اس تعزیہ داری کی رسم کو چھوڑ دو ورنہ اللہ کے یہاں سخت پکڑ ہوگی۔ جو مولوی تمہیں مالیدہ اور کچھڑا کھانے کے لئے اس کو جائز بتاتے ہیں وہ خدا کے یہاں کچھ کچھ نہ آئیں گے۔

مسلمانو! یاد رکھو کہ نوحر کرنا، غم میں سیاہ لباس پہننا، امام حسینؑ کی نذریں ماننا، مالیدہ چڑھانا۔ اللہ کے سوا کسی کے نام کی سبیلیں کھولنا، یا حسینؑ کے نعے لگانا شرعاً ممنوع ہیں، پس مسلمان بھائیو سوچ لو کہ اب ہمارے سامنے ایک طریقہ تیورلنگ کا ایجاد کردہ ہے اور دوسرا راستہ ہمارے پیغمبر ﷺ کا بتایا ہوا ہے، ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ جس سے ہم کو زیادہ محبت ہو اس کا راستہ اختیار کریں۔ چاہے تیورلنگ کی جاری کردہ رسم کو رواج دے کر عذابِ اخروی کے مستحق بنیں اور چاہے پیغمبر ﷺ کی راہ اختیار کر کے فلاح دارین حاصل کریں، ان دونوں میں جو پسند ہو اسے اختیار کیجئے۔ فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر

ہاں یہ بھی معلوم کر لیجئے کہ محرم کے مہینے میں رسول خدا کے اس فرمان کے سوا کچھ ثابت نہیں کہ محرم کی نویں، دسویں تاریخ کو روزہ رکھا جائے، رسول خدا ﷺ نے دسویں محرم کو روزہ رکھا اور فرمایا اگر میں آئندہ زندہ رہا تو نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا۔ ان روزوں کی فضیلت میں ایک حدیث ہے کہ جو شخص عاشورہ (10 محرم) کو روزہ رکھے گا اس کے ایک سال گزشتہ کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ممکن ہے کہ بعض جاہل اور ناواقف مسلمان یہ خیال کریں کہ چونکہ امام حسینؑ کی شہادت 10 محرم کو ہوئی ہے۔ اس واسطے روزہ کا حکم ہے ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب رسول خدا ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ جب ان سے روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے کہا کہ اس دن رب العالمین نے ہمارے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات دی تھی اس خوشی میں ہم یہ روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تب تو ہم زیادہ حق دار ہیں لیکن یہودیوں کی مخالفت کے خیال سے فرمایا: آئندہ سال دروزے رکھوں گا۔ پھر یہ تو بالکل کھلی ہوئی بات ہے اور ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی شہادت کا واقعہ تو رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بہت دنوں بعد کا قصہ ہے۔ بھلا اس کے متعلق آنحضور ﷺ کیسے کسی قسم کا غم و رنج منانے کی ہدایت فرمائیں گے۔ پس یہ سمجھنا کہ روزے کی تعلیم حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی وجہ سے دی گئی محض جہالت اور شیطانی وسوسہ ہے۔ ہرگز اس دھوکے میں نہ آنا چاہئے۔

ان ارید الاصلاح و ماتو فیقی الا بالله۔



(اسلامی عقائد اور باطل نظریات: 3)

علم عقیدہ کے دیگر نام (توحید، شریعت، سنت)

عبدالوہاب اعظم

① توحید:

اسلام کی بنیادی تعلیمات و تصورات کو ”عقیدہ“ کے ساتھ ساتھ ”توحید“ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، اور اس علم کے لیے ”عقیدہ“ کے بعد ”توحید“ کا لفظ سب سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے۔

توحید کا لغوی معنی:

توحید کا لغوی معنی ”کسی چیز کو اکیلا و یکتا ماننا، کسی کو شریک نہ سمجھنا“ ہے۔ [1]

توحید کا اصطلاحی معنی:

علم توحید کا اصطلاحی معنی سلف صالحین کے نزدیک صرف اور صرف توحید الوہیت (توحید عبادت) پر ہی منحصر ہوتا تھا۔ کیونکہ انبیاء و رسل کی بعثت کا مقصد بھی اسی کی تبلیغ و تکمیل تھا۔ امام دارمی رحمہ اللہ توحید کی تعریف میں فرماتے ہیں:

”إفراد الله بالعبادة“

”کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی عبادت میں اکیلا سمجھنا توحید کہلاتا ہے۔“ [2]

سلف صالحین توحید کی تعریف کرتے ہوئے درج ذیل آثار سے استنباط کرتے تھے:

☆ ”أَنَّ الْعَاصِ بْنَ وَائِلٍ نَذَرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ يَنْتَحِرَ مِائَةَ بَدَنَةٍ وَأَنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ نَحَرَ حَصَّتَهُ خَمْسِينَ بَدَنَةً وَأَنَّ عَمْرًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: أَمَّا أَبُوكَ فَلَوْ كَانَ أَقَرَّ بِالتَّوْحِيدِ فَضُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ عَنْهُ نَفْعَهُ ذَلِكَ۔“

”عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سو اونٹوں کو نحر کرنے کی قسم کھائی۔ (ایک بیٹے) ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے حصے کے بچاس اونٹ نحر کر دیئے۔ (دوسرے بیٹے) عمرو رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس عمل کے متعلق پوچھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہارا باپ توحید (لا الہ الا اللہ) کا اقرار کرتا اور پھر تو اس کی طرف سے روزے رکھتا اور صدقہ کرتا تو پھر اس کو اس کا فائدہ ہوتا تھا۔“ [3]

[1] لسان العرب لابن منظور: 448/3، مقایس اللغة لابن فارس: 6/90

[2] نقض الإمام أبي سعيد عثمان بن سعيد على الميسي: 152/1

[3] مسند أحمد: 176/10، صحیحہ الاکبانی

☆ جابر بن عبد اللہ رسول اللہ ﷺ کے حج کا طریقہ بیان کرتے فرماتے ہیں:

”فَأَهْلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّوْحِيدِ: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ، لَا شَرِيكَ لَكَ۔“

”پس رسول اللہ ﷺ نے توحید کا تلمیذ پڑھا: (لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكُ، لَا شَرِيكَ لَكَ)۔“ [۱]

☆ ابن سرتج رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”توحيد أهل العلم وجماعة المسلمين أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله۔“

”علماء کرام اور مسلمانوں کی جماعت کے نزدیک اللہ کی وحدانیت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت گواہی دینا توحید کہلاتا ہے۔“ [۲]

مندرجہ بالا آثار سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین کے نزدیک عقیدہ توحید کی تعریف صرف توحید الوہیت پر منحصر تھی۔ لیکن متاخر علماء کے نزدیک توحید کی تعریف قدرے لمبی ہو گئی اور اس میں توحید ربوبیت اور توحید اسماء و صفات کو بھی شامل کر لیا گی۔ پھر توحید کی تعریف کچھ یوں کی جانے لگی:

”اللہ تعالیٰ کو ربوبیت، الوہیت اور اسماء و صفات میں اکیلا ماننا توحید کہلاتا ہے۔“ [۳]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سلف صالحین نے توحید الوہیت پر اکتفا کیوں کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سلف صالحین نے توحید الوہیت پر اکتفاء درج ذیل وجوہات کی بنا پر کیا تھا:

- ① انبیاء و رسل کو بھیجے کا مقصد اور کتب و صحائف کو نازل کرنے کا مقصد توحید الوہیت کو تسلیم کروانا تھا۔
- ② اس وقت لوگوں میں بنیادی انحراف توحید الوہیت کے باب میں تھا۔ توحید ربوبیت اور اسماء و صفات کو لوگ تسلیم کرتے تھے۔ لیکن اس کے بعد جب گمراہ فرقے جہیہ، معتزلہ، اشاعرہ اور ماتریدہ وغیرہ کا ظہور ہوا اور انہوں نے توحید کی دوسری قسموں میں الحاد اختیار کیا تو علماء کرام نے توحید کی تعریف کو جامع و مانع بنانے کے لئے دوسری اقسام کو بھی شامل کر دیا۔
- ③ توحید الوہیت باقی توحید کی دونوں قسموں کو متضمن ہے۔ کیونکہ بندہ کسی ذات کی عبادت و دوجہ سے کرتا ہے۔ (۱) وہ ذات خالق، مالک، رازق اور اس کی تمام مشکلات کو حل کرنے والی ہو۔ اور اسی کا نام توحید ربوبیت ہے۔ (۲) وہ ذات نقص و عیب سے مبرا اور صفات عالیہ کی مالک ہو۔ اور اسی کو توحید اسماء و صفات کہتے ہیں۔

لہذا توحید الوہیت پر اکتفا کیا گیا۔

لفظ عقیدہ اور توحید کا باہمی تعلق:

لفظ ”عقیدہ“ اور لفظ ”توحید“ ایک ہی علم شرعی کے دو مختلف نام ہیں۔ لفظ ”عقیدہ“ اپنے موضوعات میں عمومیت جبکہ لفظ ”توحید“ کچھ

[۱] صحیح مسلم: 1218

[۲] الحجة في بيان المحجة لقوام السنة: 1/96-97

[۳] القول المفيد لابن عثيمين رحمه الله: 1/11

علم عقیدہ کے دیگر نام (توحید، شریعت، سنت)

خصوصیت کا حامل ہے۔ اور اس کا بھی تعلق کو علم منطق میں ”عموم خصوص مطلق“ کے نام سے جانا جاتا ہے، یعنی کہ ہر توحید کے موضوع پر عقیدے کا لفظ صادق آ سکتا ہے۔ لیکن ہر عقیدے کے موضوع پر توحید کا لفظ صادق نہیں آ سکتا۔ کیونکہ لفظ توحید کے موضوعات کا محور ارکان ایمان میں سے ایمان باللہ ہی ہے۔ جبکہ لفظ عقیدہ تمام ارکان ایمان کے ساتھ ساتھ دیگر اصولی مسائل اور ادیان باطلہ کے رد کو بھی سمیٹے ہوئے ہے۔

نیز یہ بات بھی مد نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ جب لفظ عقیدہ بولا جاتا ہے تو اس میں تمام ارکان ایمان اور باقی عقدی مسائل منطقی زبان میں ”دلیل مطابقت“ سے سمٹ جاتے ہیں۔ لیکن جب لفظ توحید بولا جائے تو ایمان باللہ کے علاوہ باقی ارکان ایمان ”دلیل استلزام“ کے زمرے میں آ جاتے ہیں۔

لفظ توحید کے نام سے کئی ہوتی کتابیں:

جس طرح لفظ عقیدہ کے نام پر پر سلف صالحین نے علم عقیدہ پر کتابیں لکھی ہیں اسی طرح توحید کے نام سے بھی عقیدے کی کتابیں لکھی ہیں۔

① کتاب التوحید / أبو العباس أحمد بن عمر البغدادی (۳۰۶)

② کتاب التوحید و إثبات صفات الرب / أبو بکر محمد بن إسحاق بن خزيمة النيسابوری (۳۱۱)

③ کتاب التوحید و معرفة أسماء الله و صفاته علی الإتفاق و التفرّد / أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن مندة (۳۹۵)

وغیرہ

تعمیم:

مندرجہ بالا لفظ توحید کے نام سے لکھی گئی معروف کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان میں ایمان باللہ کے علاوہ دیگر عقدی بحثیں بھی موجود ہیں۔ تو ان کے مصنفین نے ان کا نام توحید پر کیوں رکھا ہے؟ اس کا جواب کچھ یوں دیا جاسکتا ہے کہ:

① توحید علم عقیدہ کا مرکزی اور اعلیٰ و افضل موضوع ہے، کیونکہ اس کا تعلق ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہے لہذا سلف صالحین نے اس اہمیت کی بنا پر نام رکھ دیا۔^[۱]

② ایمان باللہ باقی تمام ارکان کی بنیاد ہے۔ اور ان ارکان پر ایمان لا نارا کن ایمان باللہ پر منحصر ہے۔

③ توحید کا دوسرے عقدی مسائل سے ”دلیل استلزام“ کے اعتبار سے قوی ناطہ ہے۔

④ شریعت:

لفظ شریعت کا لغوی معنی:

لفظ ”شریعت“ عربی لغت میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ”کسی چیز کو شروع کرنا“، ”پانی کا گھاٹ“، ”بلند و بالا جگہ“، ”سیدھا رستہ“ وغیرہ۔^[۲]

لفظ شریعت کا اصطلاحی معنی:

لفظ شریعت کا شمار ان الفاظ میں سے ہے جن کا معنی و مفہوم سیاق و سباق کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں تین مختلف

[۱] المفید فی مہبات التوحید لعبد القادر عطا صوفی: 16

[۲] تہذیب اللغة: 1/270، لسان العرب: 8/175

معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

① عقیدہ توحید کے معنی میں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ...﴾

”اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا تاکید حکم اس نے نوح کو دیا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف کی اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا، یہ کہ اس دین کو قائم رکھو اور اس میں جدا جدا نہ ہو جاؤ۔“ [1]

② عبادات و معاملات جو عقیدہ توحید کے علاوہ ہیں اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ...﴾

”تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک امت بنا دیتا اور لیکن تاکہ وہ تمہیں اس میں آزمائے جو اس نے تمہیں دیا ہے۔ پس نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔“ [2]

③ سارے کا سارا دین اسلام اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾

”پھر ہم نے تجھے (دین کے) معاملے میں ایک واضح راستے پر لگا دیا، سو اسی پر چل اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چل جو نہیں جانتے۔“ [3] [4]

تعمید اول:

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ شریعت کا اطلاق عقائد، عبادات، معاملات تمام کیا جاسکتا ہے۔ اور اس اصطلاح کو فقہی مسائل میں محصور کرنا درست نہیں ہے۔

تعمید ثانی:

علماء نے لفظ شریعت کے نام سے بھی عقیدے پر کتب لکھی ہیں۔ جن میں امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الاتخزینی البغدادی (البتونی: 360ھ) کی شاندار مکتب ”الشريعة“ سمرقند فہرست ہے۔

④ **سنت:**

سنت کا لغوی معنی:

سنت کا لغوی معنی ”رستہ“، ”طریقہ“ اور ”سیرت حسنہ“ یا ”سیرہ“ ہے۔ [5]

[1] سورة الشورى: 13

[2] سورة المائدة: 48

[3] سورة البقرة: 18

[4] ملاحظہ ہو: (المطالب المفيدة: 43/1)

[5] مقاییس اللغة 60/3، لسان العرب 13/220

سنت کا اصطلاحی معنی:

علمائے متقدمین و متاخرین کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری لفظ سنت کے متعدد اصطلاحی معنوں میں کافی فروق محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سنت کی اصطلاح کئی علوم میں استعمال کی جاتی ہے اور ہر صاحب فن و تخصص نے اپنے میدان کے مطابق اس لفظ کی وضاحت کی ہے۔

لفظ سنت محمد شین کی نظر میں:

تمام وہ اشیاء جن کا تعلق آپ ﷺ کے اقوال، افعال، تقریرات، اور صفاتِ خلقیہ و خلقیہ، خواہ قبل از رسالت ہوں یا بعد از رسالت؛ سے ہو سنت کہلاتی ہیں۔^[۱]

سنت علماء اصول کے نزدیک:

آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں کیا گیا سنت کہلاتا ہے۔^[۲]

سنت فقہاء کرام کے نزدیک:

وہ نیکی کا عمل جس کے کرنے پر انسان کو ثواب جبکہ چھوڑنے پر گناہ نالے سنت کہلاتا ہے۔^[۳]

سنت بطور علم عقیدہ کی اصطلاح:

ہر وہ عقیدہ مسئلہ جو بدعت کے مقابل میں ہو سنت کہلاتا ہے۔^[۴]

السنة کے نام سے عقیدے پر لکھی گئی کتابیں:

- ① أصول السنة / أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشيباني (التوفى: 241 هـ)
- ② السنة / أبو عبد الرحمن عبد الله بن أحمد بن محمد بن حنبل الشيباني البغدادي (التوفى: 290 هـ)
- ③ شرح السنة / أبو محمد الحسن بن علي بن خلف البربهاري (التوفى: 329 هـ)
- ④ كتاب السنة / أبو بكر بن أبي عاصم (التوفى: 287 هـ)
- ⑤ السنة / أبو بكر أحمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال (التوفى: 311 هـ)

(جاری ہے)



[۱] السنة و مكانتها في التشريع الإسلامي: 65، أفعال الرسول صلى الله عليه وسلم للأشقر: 18/1

[۲] الموافقات: 289/4

[۳] الشرح الممتع: 81/2

[۴] الموافقات: 290/4

قبر کے عذاب کا بیان (حصہ دوم)

عمر عبدالسلام

عذاب قبر کا اثبات درج ذیل احادیث سے ہوتا ہے:

- ① براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”إِذَا أَقْعَدَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ أَتَى، ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ يَشْبِتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ بِهِذَا وَزَادَ يَشْبِتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ.“

”جب مومن کو اس کی قبر میں بٹھایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں پھر وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور اس آیت کا یہی مطلب ہے کہ اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے، پختہ بات کے ساتھ خوب قائم رکھتا ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔ شعبہ کی دوسری روایت میں بھی اسی طرح ہے اس میں یہ الفاظ زیادہ بیان کیے ہیں کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔“ ①
- ② ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

”أَطْلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَهْلِ الْقَلْبِ، فَقَالَ: ”وَجَذْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟“ فَقِيلَ لَهُ: تَذْعُو أَمْوَالًا؟ فَقَالَ: ”مَا أَنتُمْ بِأَسْمَعٍ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لَا يَحْيِيُونَ.“

”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بدر کے) کنوئیں والوں کو چھانکا اور فرمایا (کیا) تم نے اس وعدے کو سچا پایا جو تمہارے رب نے کیا تھا۔ آپ سے کہا گیا آپ مردوں کو بلا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ جواب نہیں دیتے۔“ ②
- ③ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے کہا:

”إِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّهُمْ لَيُغْلَمُونَ الْآنَ أَمَا كُنْتُ أَقُولُ حَقًّا، وَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْكُفْرَ﴾ (النمل: ۸۰)“

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کہا تھا کہ یقیناً وہ اب جان رہے ہیں کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: بلاشبہ تو

① صحیح بخاری: 1369

② صحیح بخاری: 1370

مردوں کو نہیں سنا تا۔“ [۱]

⑤ ”عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ يَهُودِيَّةً دَخَلَتْ عَلَيْهَا فَذَكَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ فَقَالَتْ لَهَا أَعَاذُكَ اللَّهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَسَأَلَتْ عَائِشَةَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ فَقَالَ نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا هِيَ زَايَتْ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلَاحٍ إِلَّا تَعُوذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ زَادَ غُنْدَرُ عَذَابَ الْقَبْرِ حَقًّا۔“

”عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک یہودی عورت آئی، اس نے کہا: اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے، عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذاب قبر کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر میں نے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے جو بھی نماز پڑھی آپ نے عذاب قبر سے پناہ مانگی، غندر نے یہ الفاظ زیادہ بیان کیے کہ (قبر کا عذاب حق ہے)۔“ [۲]

⑥ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں:

”قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاطِبِيًّا فَذَكَرَ فَنَنَّهُ الْقَبْرِ الَّتِي يَفْتَنُ فِيهَا الْمَرْءُ فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ صَجَّ الْمُسْلِمُونَ صَجَّةً۔“

”رسول اللہ ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ نے قبر کی آزمائش کا ذکر فرمایا جس میں آدمی کا امتحان ہوتا ہے جب آپ نے اس کا ذکر کیا تو مسلمان جھپٹیں مار کر رو پڑے۔“ [۳]

⑦ ”عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ حَدَّثَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وَضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قُرْعَ نِعَالِهِمْ أَنَاهُ مُلْكَانِ فَيَقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الزَّجْلِ لِمَحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ فَيَقَالُ لَهُ انْظُرْ إِلَى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبْدَلْنَاكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعَدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا قَالَ قَتَادَةُ وَذَكَرْنَا أَنَّهُ يَفْسُخُ لَهُ فِي قَبْرِهِ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى حَدِيثِ أَنَسٍ قَالَ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ وَالْكَافِرُ فَيَقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الزَّجْلِ فَيَقُولُ لَا أَذْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ النَّاسُ فَيَقَالُ لَا ذَرِيتَ وَلَا تَلَيْتَ وَيَضْرِبُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصْبِغُ صَبِيحَةً يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرُ الثَّقَلَيْنِ۔“

”انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے منہ پھیر کر چل پڑتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آوازیں رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تو اس آدمی (محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو جو مومن ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں تو اس سے کہا جاتا ہے آگ میں اپنے ٹھکانے کو دیکھ، اللہ نے تجھے اس

[۱] صحیح بخاری: 1371

[۲] صحیح بخاری: 1372

[۳] صحیح بخاری: 1373

قبر کے عذاب کا بیان

کے بدلے جنت میں ٹھکانا دے دیا ہے۔ تو وہ ان دونوں کو دیکھتا ہے۔ قتادہ نے کہا ہمیں یہ بھی بیان کی گیا ہے کہ اس کے لیے اس کی قبر وسیع کر دی جاتی ہے۔ پھر قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنا شروع کر دی کہ لیکن جو منافق یا کافر ہے اسے کہا جاتا ہے: تو اس آدمی کے بارے میں کیا کہا کرتا تھا؟ وہ کہتا ہے: میں نہیں جانتا میں وہی کہا کرتا تھا جو لوگ کہتے تھے۔ تو کہا جاتا ہے نہ تو نے جانا اور نہ (کسی جاننے والے کے) کے پیچھے چلا۔ اور اسے لوہے کے گرزوں کے ساتھ ایک ضرب لگائی جاتی ہے تو وہ ایسی زبردست جھج جھج مارتا ہے جسے دو بھاری مخلوقوں (جنوں اور انسانوں) کے سوا سب سنتے ہیں جو اس کے قریب ہوتے ہیں۔“ [۱]

صحیح بخاری میں اس باب میں چھ احادیث بیان ہوئی ہیں پہلی حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں قبر کے اندر فرشتوں کے سوال کے جواب میں مومن کے ثوابت قدم رہنے کا ذکر ہے اور یہ بھی ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں اتری، جب کہ یہاں مذکور حدیث میں عذاب قبر کا ذکر نہیں۔ اس لیے بعض شارحین کو مشکل پیش آئی کہ بخاری رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث عذاب قبر کے بیان میں کیوں ذکر کی ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قبر میں ایمان والوں کو ثوابت قدم رکھتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ایمان سے محروم لوگوں کو فرشتوں کے سوالوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل نہیں ہوتی جس کا نتیجہ عذاب ہی ہے۔ اس آیت میں بھی یہ بات ذکر ہوئی ہے: ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ السَّالِّمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ﴾ [۲]

”اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“ [۳]

دوسرا جواب یہ ہے کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث متعدد تابعین نے روایت کی ہے یہاں ان سے بیان کرنے والے سعد بن عبیدہ ہیں۔ ایک اور تابعی ضیضہ نے بھی براء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مختصر بیان کیا ہے، ان کی حدیث صحیح مسلم اور نسائی میں ہے جب کہ زاذان ابو عمر نے اسے براء رضی اللہ عنہ سے مفصل بیان کیا ہے۔ بخاری رضی اللہ عنہ کا اشارہ اس حدیث کی طرف ہے۔ ان کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”استعِذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ“

”عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔“

اور اس میں ہے:

”وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيَجْلِسَانِيهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللَّهُ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامَ. فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بَعَثَ فِيكُمْ؟ قَالَ: فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَيَقُولَانِ: وَمَا يَذْرُؤُكَ؟ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ. رَأَيْتُ فِي حَدِيثِ جَرِيرٍ: فَذَلِكَ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: {يُنَبِّئُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا} - الْآيَةُ. ثُمَّ اتَّفَقَا: قَالَ: فَبِتَابِي مَنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ قَدْ صَدَّقَ عَبْدِي، فَأُفْرِشْهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَالْبَسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ. قَالَ: فَيَأْتِيهِ مِنْ رُوحِهَا وَطِيْبِهَا. قَالَ: وَنُفِثَ لَهُ فِيهَا مَذْبُورُهُ. قَالَ: وَإِنَّ الْكَافِرَ. فَذَكَرَ مَوْتَهُ، قَالَ: وَتُعَادَ

[۱] صحیح بخاری: 1374

[۲] سورة إبراهيم: ۷

[۳] شرح بخاری از حافظ عبدالسلام بن محمد، حدیث: 1369

روحہ فی جسَدِہ، وِیَاتِیْہِ مَلٰکَآنَ فِیْجَلْسَانِہِ فِیَقُوْا لَا اِنْ لَّہُ: مَنْ رَّکَّ؟ فِیَقُوْا: ہَاہَاہَا، لَا اُذْرِی۔ فِیَقُوْا لَا اِنْ لَّہُ: مَا دِیْنُکَ؟ فِیَقُوْا: ہَاہَاہَا، لَا اُذْرِی۔ فِیَقُوْا لَا اِنْ لَّہُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْکُمْ؟ فِیَقُوْا: ہَاہَاہَا، لَا اُذْرِی۔ فِیَنَادِیْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ اَنْ کَذَبَ، فَاُفْرِشُوْہُ مِنَ النَّارِ، وَاَلْبِسُوْہُ مِنَ النَّارِ، وَاَفْتَحُوْا لَہُ بَابًا اِلَی النَّارِ۔ قَالَ: فِیَا نَبِیِّہِ مِنْ حَرِّہَا وَسَمُوْمِہَا۔ قَالَ: وَیُضِیْقُ عَلَیْہِ قَبْرُہُ حَتّٰی تَخْتَلِفَ فِیْہِ اَضْلَاغُہُ ثُمَّ یَقْبِضُ لَہُ اَعْصٰی اَبْنٰکُمْ، مَعَهُ مِزْرَۃٌ مِنْ حَدِیْدٍ، لَوْ ضَرَبَ بِہَا جَبَلٌ لَّصَارَ ثَرَابًا۔ قَالَ: فِیَضْرِبُہُ بِہَا ضَرْبَۃً یَسْمَعُہَا مَا بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اِلَّا الثَّقَلٰیْنِ، فِیَصِیْرُ ثَرَابًا۔ قَالَ: ثُمَّ تَعَاذِفِہِ الزُّوْحُ۔“

”پھر اس میں اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے کہتے ہیں: تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر کہتے ہیں یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا، کیا ہے؟ وہ کہتا ہے: وہ اللہ کا رسول ہے۔ وہ کہتے ہیں تجھے کیسے معلوم ہوا؟ وہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور اس کی تصدیق کی۔ چنانچہ اللہ کے فرمان کا یہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو ایمان لائے خوب قائم رکھتا ہے۔ پھر آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، سو اس کے لیے جنت کا بستر بچھاؤ اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو اور اسے جنت کا لباس پہنا دو۔ فرمایا پھر اس کے پاس اس کی ہوا اور خوشبو آنے لگتی ہے۔ فرمایا اور اس کے لیے قبر نگاہ کی حد تک کھلی کر دی جاتی ہے۔ پھر کافر کی موت کا ذکر فرمایا اس کی روح اس میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھا دیتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر اسے کہتے ہیں: تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا، پھر کہتے ہیں یہ آدمی جو تم میں بھیجا گیا کیا ہے کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ تو آسمان سے ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ اس نے غلط کہا اس لیے اسے آگ کا بستر بچھا دو اور اسے آگ کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے آگ کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ فرمایا پھر اس کی طرف اس کی گرمی اور زہریلی بو آنے لگتی ہے پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں۔ پھر اس پر ایک گونگا اندھا مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے اگر وہ اسے پہاڑ پر مارے تو مٹی ہو جائے وہ اسے ایک ضرب لگاتا ہے جسے دو بھاری جھوٹوں (جن اور انسان) کے سوا مشرق و مغرب کے درمیان ہر چیز سنتی ہے۔“ [۱]

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث جیسی حدیث بخاری میں انس رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، رقم (1374)۔ خلاصہ یہ کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں عذاب قبر کا واضح ذکر ان کی مفصل حدیث میں موجود ہے۔ بخاری نے مختصر روایت کے ساتھ اس مفصل حدیث کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

دوسری حدیث میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بدر کے کنوئیں میں چھینکے جانے والے چوبیس کافروں کا ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے خطاب کیا اور صحابہ کے سوال پر کہ آپ مردوں سے باتیں کر رہے ہیں فرمایا کہ تم میری بات ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بدر

[۱] سنن ابی داؤد: 4753، اس حدیث کو شیخ البانی نے صحیح کہا ہے۔

کے کفار نے آپ کی بات کو سنا اور یہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْبَوَاتِیْ اور وَاَنْتَ بِمَسْمَعٍ مِنْ فِی الْقُبُوْرِ﴾ سے مستثنیٰ ہے۔ تیسری حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ ”اب وہ جان رہے ہیں کہ جو میں انہیں کہتا تھا وہ حق ہے۔“ بظاہر یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے خلاف ہے مگر درحقیقت یہ ان کی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ الفاظ بھی کہے ہوں جو ام المؤمنین نے روایت کیے ہیں اور وہ بھی جو ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیے ہیں۔ رہا ام المؤمنین کا ﴿اِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْبَوَاتِیْ﴾ سے استدلال تو ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث اور اس آیت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مردے نہیں سنتے، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو سنانا چاہے جو سننے ہی سے عاری ہے تو یہ ناممکن نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ﴾

”ہم نے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔“

اور فرمایا:

﴿فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ اِتْبِیْ طَوْعًا وَّ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعَتِیْنَ﴾

”تو اس نے آسمان اور زمین سے کہا خوشی سے آؤ یا مجبوری سے، دونوں نے کہا ہم خوشی سے آ گئے۔“

تو جب اللہ تعالیٰ آسمانوں زمینوں اور پہاڑوں کو سنا سکتا ہے تو میت کو واپس جانے والے جوتوں کی آواز بھی سنا سکتا ہے اور سنا تا ہے۔ اسی طرح اس نے بدر کے مقتولین کو اپنے رسول ﷺ کی آواز سنوا دی بلکہ اللہ کے حکم سے انہوں نے زندوں سے بھی زیادہ سنی۔

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا جب روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے اس وقت فرشتے اس آدمی سے یہ سوال کرتے ہیں۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف روح سے باز پرس ہوتی ہے یا صرف جسم سے، دونوں کی بات درست نہیں۔^[۱]

چوتھی حدیث ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے۔ ایک اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی ہے انہوں نے کہا:

”دَخَلَ عَلَیَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَعِنْدِیْ اَمْرَاۃٌ مِنَ الْیَهُودِ، وَهِيَ تَقُوْلُ: هَلْ شَعَزَتْ اَنْتُمْ تَفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ؟ قَالَتْ: فَازْتَاغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: اِنَّمَا تَفْتَنُ یَهُودٌ۔ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَلَبِثْنَا لَیَالِیَ۔ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ شَعَزَتْ اَنَّهُ اَوْجِیْ اِلَیَّ اَنْتُمْ تَفْتَنُوْنَ فِی الْقُبُوْرِ قَرِیْبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ قَالَتْ عَائِشَةُ: فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَبْغِذُ یَسْتَعِیْذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔“

”میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک یہودی عورت بیٹھی تھی جو کہہ رہی تھی کیا تمہیں معلوم ہے کہ قبروں میں تمہاری آزمائش کی جاتی ہے؟ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس پر رسول اللہ ﷺ گھبرا گئے اور فرمایا: صرف یہودیوں کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اس کے بعد چند راتیں گزری تھیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے وحی کی گئی ہے کہ

قبر کے عذاب کا بیان

قبروں میں تمہاری آزمائش دجال کی آزمائش کے قریب کی جاتی ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اس کے بعد میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے۔“ [۱]
اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ قبروں میں مسلمانوں کی بھی آزمائش ہوتی ہے۔ آپ یہی سمجھتے تھے کہ یہود اور کفار ہی کی آزمائش ہوتی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو آگاہ فرمایا کہ قبر کی آزمائش مسلمانوں کی بھی کی جاتی ہے۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”وأصرح منه ما رواه أحمد بإسناد على شرط البخاري، عن سعيد بن عمرو بن سعيد الأموي، عن عائشة: أن يهودية كانت تخدّمها، فلا تصنع عائشة إلیها شيئا من المعروف إلا قالت لها اليهودية: وراك الله عذاب القبر۔ قالت: فقلت: يا رسول الله، هل للمقبر عذاب؟ قال: كذبت يهود، لا عذاب دون يوم القيامة۔ ثم مكث بعد ذلك ما شاء الله أن يمكث، فخرج ذات يوم نصف النهار وهو ينادي بأعلى صوته: أيها الناس، استعيذوا بالله من عذاب القبر؛ فإن عذاب القبر حق۔“

”اس سے بھی زیادہ صریح منداحمد کی روایت ہے جس کی سند بخاری کی شرط پر ہے (شعیب الرضوی کے مطابق شیخین کی شرط پر ہے) کہ عائشہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کی خدمت کرتی تھی، تو عائشہ اس سے کوئی بھی نیکی کرتیں تو وہ کہتی اللہ تمہیں عذاب قبر سے بچائے۔ عائشہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کہا یا رسول اللہ کیا قبر میں کوئی عذاب ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: کذبت یهود، یہودی غلط کہتے ہیں، قیامت سے پہلے کوئی عذاب نہیں۔ پھر آپ جتنی مدت اللہ نے چاہا ٹھہرے رہے پھر ایک دن آپ عین دوپہر کے وقت نکلے اور آپ اپنی بلند آواز سے کہہ رہے تھے: لوگو عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو کیونکہ قبر کا عذاب حق ہے۔“ [۲]

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو پہلے یہ علم نہیں تھا کہ قبر کا عذاب مسلمانوں کو بھی ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی وحی سے آپ کو مدینہ کے آخری ایام میں معلوم ہوا کہ قبر میں سب کا امتحان ہوتا ہے۔ [۳]



[۱] صحیح مسلم: 905, 903, 584, سنن نسائی: 1475, سنن دارمی: 1568

[۲] مسند احمد: 24520

[۳] فتح الباری: 3/279

ماہِ محرم: فضائل و مسائل

عادل عبدالرحمن

بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله ﷺ!

محرم الحرام، اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔ محرم کے معنی حرام، معزز، مقدس اور محترم وغیرہ کے ہیں۔ اس ماہ کو محرم، اس کی تعظیم کی وجہ سے کہتے ہیں جیسا کہ ”مسجد الحرام“ یعنی وہ مسجد جو قابل احترام اور عظمت والی ہے۔ ہمارے ہاں یہ ماہ، بالعموم محرم کے نام سے ہی معروف ہے جب کہ عرب اسے الف لام کے بغیر لکھنے پڑھنے کو فاش غلطی تصور کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کا صحیح تلفظ ”المَحْرَم“ ہی ہے جیسا کہ شیخ احمد بن عبد اللہ السلی نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔^[۱]

مذہب عالم میں اس وقت جس قدر سنین مروج ہیں وہ عام طور پر یا تو کسی مشہور شخصیت کی یوم پیدائش سے منسلک ہیں یا کسی قومی واقعہ مسرت و شادمانی سے پیوستہ ہیں لیکن اسلامی سن ہجری ایک ایسے واقعہ سے وابستہ ہے جس میں یہ سبق پنہاں ہے کہ مسلمان اگر اعلائے کلمۃ اللہ کے نتیجہ میں تمام اطراف سے مصائب میں گھر جائے اور اس پر ہر طرح سے عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے تو ایسے میں وہ اپنی بستی یا شہر والوں پر حجت تمام کر کے وہاں سے ہجرت کر جائے۔

ماہِ محرم کے دیگر نام اور وجہ تسمیہ:

ماسوا محرم کے، قمری مہینوں کے نام، زمانہ جاہلیت سے ہی چلے آ رہے ہیں۔

① زمانہ جاہلیت میں اسے ”مؤتمر“ اور ”موجب“ بھی کہا جاتا تھا۔^[۲]

② اسی طرح محرم اور صفر دونوں کو ”صفرین“ بھی کہا جاتا تھا۔ یعنی محرم کو ”صفر الاول“ اور صفر کو ”صفر الثانی“، جیسے ربیع

الاول اور ربیع الثانی ہیں۔^[۳]

③ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے اس ماہ کا ایک نام ”شہر اللہ الأصم“ بھی ذکر فرمایا ہے۔^[۴]

④ نبی کریم ﷺ نے اسے ”شہر اللہ“ قرار دیا ہے۔^[۵]

⑤ عوام کا لانا عام اور جبلاء سے سوگ یا ماتم کا مہینہ بھی کہتے ہیں۔

امام احمد بن محمد الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

[۱] بدع و أخطاء تتعلق بالأيام والشهور، ص: ۲۱۷

[۲] کتاب الأئمة والأئمة للمرزوقي، بتحقيق: خليل المنصور، ص: ۲۰۷-۲۱۰

[۳] الزهر في علوم اللغة وأنواعها للسيوطي، بتحقيق: فؤاد علي منصور، ۲۳۹/۱۱

[۴] لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي، بتحقيق: ياسين محمد السوواس، ص: ۷۹

[۵] صحيح مسلم: ۱۱۶۳

”وَإِنَّمَا سَمِّيَ مُحَرَّمًا لِثَنَاهُمْ كَانُوا يُحْزَمُونَ الْقِتَالَ فِيهِ.“
 ”محرم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں لوگ قتل و قاتل کو حرام سمجھتے تھے۔“ [۱]

• ماہِ محرم کے فضائل:

• ماہِ محرم، ان چار مقدس و محترم مہینوں میں سے ایک ہے جن میں ہر قسم کا قتل و قاتل، جنگ و جدل اور لڑائی جھگڑا ماسوا دفاعی جہاد کے، ممنوع و حرام ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾

”جس دن سے اس (اللہ) نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اسی دن سے اللہ کے ہاں، اللہ کی کتاب میں، مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں سے چار حرمت والے (مہینے) ہیں۔“ [۲]

جناب ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثَةٌ مِنْ أَوَّلِ الْبَيْتِ وَذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمَحَرَّمُ وَرَجَبٌ.“
 ”سال بارہ مہینوں کا ہے۔ اس میں چار مہینے حرمت والے (مہینے) ہیں۔ تین (مہینے) ذو القعدة، ذوالحجہ اور محرم تو لگا تار ہیں اور ایک رجب ہے۔“ [۳]

ماہِ محرم کی فضیلت و عظمت کو واضح کرنے کے لیے اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے۔

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”أَفْضَلُ الصِّيَامِ، بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمِ.“

”ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں۔“ [۴]

• فوائد:

① شیخ محمد راشد کمال رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

”اس حدیث پاک میں ماہِ محرم کو تشریفاً شہرِ اللہ یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس سے اس کی فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیوں کہ کسی خاص چیز کی نسبت ہی اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے جیسے کعبہ کو ”بیت اللہ“ (اللہ کا گھر)، سیدنا صالح علیہ السلام کی ”اؤئی کو“ ناقة اللہ“ (اللہ کی اؤئی)، اسی طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ”روح اللہ“ اور ”کلمۃ اللہ“ کہا گیا ہے۔ انہی نسبتوں کی طرح ماہِ محرم بھی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے، اسے ”شہر اللہ“

[۱] کتاب الأزمۃ والأمنۃ للمرزوقی، بتحقیق: خلیل المنصور، ص: ۲۰۵

[۲] سورة التوبة، الآية: ۳۶

[۳] صحيح البخاري: ۴۴۰۶ - صحيح مسلم: ۱۶۷۹

[۴] صحيح مسلم: ۱۱۶۳ - سنن أبي داود: ۲۰۲۹

اللہ “قرار دیا گیا ہے۔“ [۱]

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(۲)

”وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ الْمَحْرَمَ شَهْرَ اللَّهِ وَإِضَافَتُهُ إِلَى اللَّهِ تَبْدُلٌ عَلَى شَرَفِهِ وَفَضْلِهِ.“

”محرم کا نام نبی کریم ﷺ نے ”شہر اللہ“ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف یہ اضافت اس کے شرف اور فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔“

نیز فرمایا:

”وَقَدْ قِيلَ فِي مَعْنَى إِضَافَةِ هَذَا الشَّهْرِ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ: إِنَّهُ إِشَارَةٌ إِلَى أَنَّ تَحْرِيمَهُ إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ لِأَحَدٍ تَبْدِيلُهُ كَمَا كَانَتْ الْجَاهِلِيَّةُ يَحْلَوْنَ وَيَحْزَمُونَ مَكَانَهُ صَفَرُ.“

”اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس مہینہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، کسی اور کو اس کی حرمت بدلنے کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ دور جاہلیت میں لوگ اسے لڑائی کے لیے حلال کر لیتے اور اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دیتے تھے۔“ [۲]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دورِ مسعود سے لے کر آج تک پوری اُمت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہے اور یہ ایک ایسی مغز و فضیلت ہے جو دوسرے مہینوں میں سے کسی کو حاصل نہیں ہے۔

سیدنا بل بن سعد الساعدي رحمہ اللہ نے فرمایا:

”مَاعَدُوْا مِنْ مَّبْعَثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا مِنْ وَفَاتِهِ مَاعَدُوْا إِلَّا مِنْ مَّقْدَمِهِ الْمَدِيْنَةِ.“

”تاریخ کا شمار نبی کریم ﷺ کی بعثت اور آپ کی وفات کی بجائے مدینہ کی ہجرت کے سال سے ہوا۔“ [۳]

جناب سعید بن المسیب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

”جَمَعَ عُمَرُ النَّاسَ فَسَأَلَهُمْ عَنْ أَوَّلِ يَوْمٍ يَكْتُبُ التَّارِيخَ، فَقَالَ عَلِيٌّ: مِنْ يَوْمِ هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَرَكَ أَرْضَ الشَّرِّكَ، فَفَعَلَهُ عُمَرُ.“

”سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا تاریخ لکھنے کا آغاز کس دن سے کریں؟ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہجرت سے

کریں جس دن رسول اللہ ﷺ نے شرک کی سرزمین کو چھوڑا تھا، چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہی فیصلہ صادر فرمایا۔“ [۴]

امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، (ایک بار) سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ایک عامل نے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے) کہا:

”أَمَّا تَوْرُخُونَ؟ فَأَرَادُوا أَنْ يُوْرَخُوا فَقَالُوا: مَنْ مَبْعَثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَوْ مِنْ وَفَاتِهِ؟ ثُمَّ أَجْمَعُوا أَنْ

يَجْعَلُوهُ مِنْ هَجْرَتِهِ، فَأَرَادُوا أَنْ يَبْتَدُوا بِشَهْرِ رَمَضَانَ ثُمَّ رَأَوْا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي الْمَحْرَمِ.“

[۱] اسلامی مہینے اور ان کا تعارف، ص: ۲۵

[۲] لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي، بتحقيق: ياسين محمد السواس، ص: ۸۱-۸۲

[۳] صحيح البخاري: ۳۹۳۴

[۴] المستدرک علی الصحیحین، بتحقيق: مصطفى عبد القادر عطا: ۴۲۸۷ - وسندہ صحیح

”آپ لوگ تاریخ کیوں نہیں وضع کر لیتے؟ اس پر انہوں نے وضع تاریخ کا ارادہ کیا اور کہنے لگے: کیوں نا اس کا آغاز رسول اللہ ﷺ کی بعثت یا وفات سے کیا جائے؟ پھر جب وہ ہجرت سے اس کی ابتداء کرنے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے ماہِ رمضان کو اس کا پہلا مہینہ قرار دیا مگر پھر انہوں نے ماہِ محرم کو ہی پہلا مہینہ بنالیا۔“ [۱]

ماہِ محرم کے روزے:

جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أَفْضَلُ الصِّيَامِ، بَعْدَ رَمَضَانَ، شَهْرُ اللَّهِ الْمُحَرَّمِ۔“

”ماہِ رمضان کے بعد سب سے افضل روزے اللہ کے مہینہ محرم کے ہیں۔“ [۲]

جناب ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”وَصِيَامُ يَوْمٍ عَاشُورَاءَ، أَحْتَسِبُ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِي قَبْلَهُ۔“

”اور یومِ عاشورہ کا روزہ، میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ یہ پچھلے سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔“ [۳]

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

”جِئْنَا صَامَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ عَاشُورَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّهُ يَوْمٌ تُعْظِمُهُ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ ضُمْنَا الْيَوْمَ التَّاسِعَ۔“

”جس وقت رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن روزہ رکھا اور اس کے روزے کا حکم فرمایا تو انہوں نے عرض کیا: اے اللہ

کے رسول ﷺ! اس دن تو یہودی اور نصاریٰ تعظیم کرتے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب آئندہ سال آئے گا تو ہم

نویں تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔“ [۴]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”تَخَالِفُوا الْيَهُودَ وَضَوْفُوا التَّاسِعَ وَالْعَاشِرَ۔“

”یہودی کی مخالفت کرو اور نو اور دس محرم کا روزہ رکھو۔“ [۵]

فائدہ:

محرم میں روزوں کی فضیلت میں نو اور دس محرم کے ساتھ پورے مہینہ میں رکھے جانے والے روزے شامل ہیں۔

ماہِ محرم سے متعلق بعض غلط فہمیاں:

عوام الناس میں مشہور ہے:

[۱] تاریخ خلیفہ بن خیاط، بتحقیق: اکرم ضیاء العمری، ص: ۵۱۔ وسندہ صحیح إلى محمد بن سیرین

[۲] صحیح مسلم: ۱۱۶۳۔ سنن أبي داؤد: ۲۰۲۹

[۳] صحیح مسلم: ۱۱۶۲

[۴] صحیح مسلم: ۱۱۳۴

[۵] السنن الكبرى للبيهقي: ۲۸۷/۴۔ للمصنف لعبد الرزاق: ۷۸۶۹۔ وسندہ صحیح

- ① مُحرم اور بالخصوص یوم عاشوراء کی فضیلت کا باعث سیدنا حسینؑ کی شہادت ہے۔
حالاں کہ نبی کریم ﷺ سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے۔
- ② مُحرم سوگ کا مہینہ ہے اس لیے اس ماہ میں شادی بیاہ یا کوئی بھی خوشی کا کام گناہ کا سبب ہے۔
نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے اس طرح کی کسی ممانعت کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔
- ③ نوبیا ہٹا عورت کے لیے لازمی ہے کہ وہ مُحرم کا چاند اپنے میکے میں جا کر دیکھے۔
اس نظریہ کی بھی کوئی حقیقت کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے۔

ماہِ محرم کی بعض بدعات:

- ① ماہِ محرم، خصوصاً نویں اور دسویں مُحرم کو مرد و خواتین، بچے بوڑھے سبھی قبرستان کا رخ کرتے ہیں اور وہاں جا کر طرح طرح کی بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں۔
- ② سیدنا حسینؑ اور دیگر شہدائے کرام کے بلا کے نام پر نذر و نیاز دینا۔ غیر اللہ (نبی، صحابی یا ولی) کے لیے نذر و نیاز دینا بدعت کے ساتھ ساتھ شرک بھی ہے۔
- ③ ان ایام کے لیے بعض جعلی و بناوٹی نمازیں اور وظائف بھی گھڑ لیے گئے ہیں جن کا کتاب و سنت سے ثبوت تو درکنار بلکہ وہ صریح بدعات اور دین میں اضافہ ہیں۔
- ④ دس محرم کو مرثیہ خوانی اور سینہ کو پی کرنا، ماتم اور نوحہ میں شرکت کرنا۔
- ⑤ دس محرم کو قترے لگانا، انہیں قابلِ تعظیم و پرستش سمجھنا، ان سے مرادیں اور منتیں مانگنا۔
- ⑥ حلیم لکنا اور پانی کی سیلیں لگانا، اپنے بال بچوں کو ہرے یا سیاہ رنگ کے کپڑے پہنا کر انہیں سیدنا حسینؑ کا فقیر بنانا۔
- ⑦ ذوالجناحین (دو پروالے گھوڑے) کے جلوس میں ثواب کا کام سمجھ کر شرکت کرنا۔
- ⑧ دس محرم کو اظہارِ غم کی خاطر زیب و زینت اور عمدہ لباس کو چھوڑ کر ننگے سر، ننگے پاؤں اور ننگے بدن رہنا۔
- ⑨ شیعوں کی طرح واقعہ کربلا کو مبالغہ اور رنگ آمیزی سے بیان کرنا۔
- ⑩ سیدنا حسینؑ اور یزید کی بحث کے ضمن میں جلیل القدر صحابہ کرام (خاص کر سیدنا معاویہؓ) کو ہدفِ طعن و تشنیع بنانے میں تامل نہ کرنا۔



سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا متروک پہلو

ابوالوفا محمد جواد شری

محبت کے ہزار پہلو ہوا کرتے ہیں، ہزار زاویے ہوتے ہیں، والدین کے دوستوں اور رشتے داروں سے محبت رکھنا، والدین کے لئے صدقہ جاریہ بنتا ہے۔ والد کے دوست کو اسی طرح عزت دینا جس طرح والد نے اسے عزت دی، یہ والد کا اپنی اولاد پر حق ہے۔ کچھ لوگ محسن ہوتے ہیں، خاندان کے محسن، قبیل کے محسن، مشکل وقت میں کام آنے والے، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر کے متعلق فرمایا تھا:

”کیا تم میری خاطر ابوبکر کو معاف نہیں کر سکتے؟“ جب تم میرا انکار کرتے تھے، اس وقت ابوبکر تھا، جو میری نبوت کا اقرار کیا کرتا تھا۔“

سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے محبت میرے ایمان کا حصہ ہے۔ جن ہونٹوں کو کملی والے نے چوما ہوا، دنیا کی کوئی چیز ان کی قیمت نہیں بن سکتی، وہ لمبے جہاں محبوب نماز ادا کر رہے ہوا کرتے اور حسین آن کر کا ندھوں پر بیٹھ رہتے، ان لمحوں پہ ہزار حقبتیں قربان کی جاسکتی ہیں، مشک و عنبر کی خوشبو اس پسینے پر قربان جو حسین رضی اللہ عنہ کو کھلاتے ہوئے کملی والے کے بدن سے نکل کر ان کے رخساروں پہ چاڑا ہوگا۔

تو میں ان صحابہ پر کیوں نہ رنجھ جاؤں، جنہوں نے میرے حسین کے کملی والے کے ساتھ گزرے ہوئے شب و روز کا نقشہ اٹھا کر میرے سامنے رکھ دیا ہے۔

میں اس زاویے پہ سوچتا ہوں تو دنگ رہ جاتا ہوں، کچھ کملی والے کے یاروں کی عدالت پر، کچھ غیروں کے رویوں پر، مجھے بتائیں، سیدنا حسن و حسین و علی و فاطمہ رضی اللہ عنہم! جہیں ہزار لاکھ بار بڑی شخصیات ہوتیں، لیکن اگر ان کی شخصیات کو بیان کرنے والے سچے لوگ میسر نہ ہوتے تو ہم ان سے کہاں واقف ہو پاتے؟ میں آج ان ہستیوں کے فضائل جانتا ہوں تو یہ فضائل مجھے صحابہ نے بیان کئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حسین کو اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا۔ یہ حدیث ہمیں سیدنا سعد بن ابی وقاص، سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، سیدنا داہملہ بن اسحاق رضی اللہ عنہ، سیدنا عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اور سیدنا ابوالحرأ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بیان کی ہے۔

میرے والد کی امانت سنبھالنے والا میرے لئے بہت محترم رہتا ہے، میں اس کی بے پناہ عزت کرتا ہوں، کملی والے کی یہ حدیث کملی والے کی امانت تھی، جس شخص نے یہ امانت آگے امت تک پہنچائی ہو، اس شخص سے محبت ہوگی یا نہیں؟ تو جن صحابہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی یہ فضیلت ہم تک پہنچائی، ان کو گالی کیوں دی جاتی ہے؟

کملی والے نے فرمایا: حسن و حسین رضی اللہ عنہما جو انان جنت کے سردار ہیں۔ یہ فرمان مجھ تک سیدنا قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ، سیدنا مالک بن

[1] صحیح البخاری: 3661

[2] (مسند احمد/217/44) (المعجم الاوسط للطبرانی: 7610) (صحیح مسلم: 2424) (مسند احمد: 195/28) (مسند بزار: 2251) (المعجم الاوسط للطبرانی: 8123) (سنن الترمذی: 3206) (المعجم الكبير للطبرانی: 2672)

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کا متروک پہلو

حویرث رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ، اور سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ [1] سے مروی ہوا ہے۔

اب ان میں سے ضعیف روایات نکال دیں، صرف صحیح قبول کر لیں، یا اگر ضعیف روایت بھی قبول کرنی ہو کر لیں، سوال اٹھے گا کہ آپ حسین رضی اللہ عنہ کو جنت کے جوانوں کا سردار مانتے ہو یا نہیں؟ اگر مانتے ہو تو پھر لازماً یہ روایت بیان کرنے والوں کو سچا ماننا پڑے گا۔ کیوں کہ کسی جھوٹے کے بیان پر تو کسی کو جنت کے جوانوں کا سردار نہیں کہا جاسکتا، کسے جھوٹے شخص کی روایت کو کملی والے کی حدیث نہیں کہا جاسکتا۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ ان احادیث کے راویوں کو جھوٹا کہیں احادیث کو سچا کہیں؟

آقا ﷺ فرماتے تھے، حسن و حسین رضی اللہ عنہ میرے پھول ہیں۔ آقا کی یہ بات بیان کرنے والے صحابہ میں، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ [2] کا نام ملتا ہے۔

اگر آپ کملی والے کے پھولوں سے حظ اٹھانے چلے ہیں تو اس باد صبا کا احسان بھی مانیں، جو ان پھولوں کی خوشبو آپ تک اٹھا لائی ہے۔

ہم کہاں تکبت گل کہاں
نیم صبح تیرا شکریہ

سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہ خطبے کے دوران آئے، کملی والے نے خطبہ چھوڑ دیا۔ بجا کہ یہ اسلام کی یادداشت ہے، جسے بھلا یا نہیں جاسکتا، تو اس یادداشت کے راوی سیدنا بریدہ سلمیٰ رضی اللہ عنہ [3] کو کیوں یاد نہیں کیا جاتا؟

اسے احسان فراموشی کہا جائے، اپنے امین لوگوں سے بغاوت کہا جائے یا محسن کشی قرار دیا جائے؟

روافض نے ایک موسوعہ چھاپا ہے، فضائل اہل بیت پر، ساری دنیا کی جھوٹی گچی روایتیں اس میں شامل کر دی ہیں، لیکن کوئی ایک ایسی روایت بیان نہیں کر پائے، جو کسی صحابی نے بیان نہ کی ہو۔

پھر اہل بیت کی فضائل میں اکثر روایات سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ، سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ نے بیان کی ہیں اور روافض اکثر انہی صحابہ کو گالی دیتے ہیں، سب سے زیادہ فضائل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کئے، روافض نعوذ باللہ سیدنا ابو ہریرہ کو اسی شدت سے جھوٹا اور کذاب باور کر داتے ہیں۔ گو یادہ کہنا چاہتے ہوں کہ سیدنا حسین کے جتنے فضائل بیان ہوئے ہیں، سب جھوٹے ہیں، کسی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ ایسے فضائل بیان کرنے والے جو جھوٹے ہیں؟

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روافض کے طنز کا شکار رہتے ہیں، ان کا کچھ نہیں بگڑتا، مگر اہل بیت کی تو بین لازم آ جاتی ہے۔ روافض نے سب سے زیادہ حدیث کساء کو بیان کرنے پر زور صرف کیا ہے۔ اس سے جھوٹے استدلال لئے، اسی کو بنیاد بنا کر اہل بیت کی معصومیت کا عقیدہ ایجاد کیا، لیکن اس حدیث کے جتنے راوی ہیں، روافض ان سب پر تبراء کرتے ہیں۔ جس حدیث کو بیان کرنے والے جھوٹے ہوں، اس حدیث کی

[1] (المعجم الكبير للطبرانی: 2672) (المعجم الكبير للطبرانی: 2672) (سنن ابن ماجہ: 118) (سنن الترمذی: 3768) (المعجم الكبير للطبرانی: 2616)

(المعجم الكبير للطبرانی: 2604) (مجمع الزوائد: 184/9)

[2] (صحيح البخاری: 3753) (مسند بزار، 1076) (المعجم الكبير للطبرانی: 3890)

[3] (المعجم الكبير للطبرانی: 3890)

بنیاد پر اپنا عقیدہ کیسے بنایا جاسکتا ہے؟

خیر، ان باتوں کو چھوڑتے ہیں، میں اس زاویہ نگاہ کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتا تھا کہ سیدنا حسن و حسین ؑ سے محبت کے جہاں بہت سے زاویے ہیں، لاکھ تقاضے ہیں، وہیں سب سے اول زاویہ یہ ہے کہ ان کے فضائل بیان کرنے والوں کے فضائل کا اقرار کیا جائے، ان سے محبت کی جائے، ان کا احسان مندر ہا جائے اور ان کے حق میں دعا کی جائے اور جو ان محسنوں کا احسان نہیں مانتا، اس سے براءت کا اظہار کیا جائے۔ کیوں کہ چوں کو جھٹلانے والے ہمیشہ نامراد رہے ہیں اور نامرادوں سے اظہار براءت ہی کیا جاتا ہے، ان کو سینے سے نہیں لگایا جاتا۔



فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے ”ائمہ“ اہل سنت کی نظر میں

حافظ طاہر بن محمد

بسم الله والحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله!

روافض کے کئی ایک فرقوں سے ایک معروف فرقہ ”امامیہ اثنا عشریہ“ ہے، ”امامیہ“ کی وجہ تسمیہ ان کے ہاں ”مسئلہ امامت“ کی اہمیت کے پیش نظر ہے، جو ان کے اصول دین میں شامل ہے اور اس کو ماننے بغیر کوئی مومن نہیں ہوتا۔^[۱] بلکہ انہوں نے امام ابو جعفر سے نقل کر رکھا ہے:

”بنی الإسلام على خمس: على الصلاة والزكاة والصوم والحج والولاية۔“
”اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور ولایت۔“

راوی نے پوچھا:

ان میں سے سب سے افضل کیا ہے؟ تو ارشاد ہوا:

”الولاية أفضل۔“

”ولایت ان سب سے افضل ہے۔“^[۲]

اس عقیدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ منصب نبوت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا منصب ”امامت“ بھی موجود ہے، لہذا کہتے ہیں:

”أَنَّ الإمامة منصب إلهي كالنَّبوة، فكما أَنَّ الله سبحانه يختار من يشاء من عباده للنَّبوة والرسالة ويؤيد بالمعجزة التي هي كنز من الله عليه۔ فكذلك يختار للإمامة من يشاء۔“

”امامت، نبوت کی طرح منصب الہی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں نبوت و رسالت کے لیے چنتے اور معجزات سے تائید کرتے ہیں..... اسی طرح امامت کے لیے بھی جسے چاہتے ہیں چُن لیتے ہیں۔“^[۳]

امامت کا انکار نبوت کے انکار سے زیادہ برا ہے۔^[۴]

ائمہ کے متعلق ان کا عقیدہ ہے:

”حديث كل واحد من الأئمة الطاهرين قول الله عز وجل۔“

[۱] عقائد الامامیہ لمحمد رضا المظفر، ص: 65 طبع انتشارات انصاریان، ایران

[۲] أصول الكافي: 18/2، یردایت ان کے ہاں صحیح ہے۔ الشافی شرح الکافی: 29/5 رقم: 1599

[۳] أصل الشيعة وأصولها لمحمد حسين الغفلا: ص 58

[۴] الألفين في إمامة أمير المؤمنين الحسين بن يوسف المظفر الحلي: 3/1

”ہر امام کی بات فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔“^[۱]

اسی طرح اگر کسی امام کے قول کو قال اللہ تعالیٰ (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے) کہہ کر بیان کیا جائے تو بالکل درست ہے۔^[۲] بلکہ لکھا ہے کہ:

”نعتقد أن أمرهم أمر الله تعالى، ونهيهم نهيه، وطاعتهم طاعته، ومعصيتهم معصيته، ووليهم وليه، وعدوهم عدوه۔“

”ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کا امر ونہی اللہ کا امر ونہی ہے، ان کی اطاعت، اللہ کے اطاعت اور ان کی معصیت اللہ کی معصیت ہے ان کا دوست اللہ کا دوست، ان کی دشمنی اللہ کا دشمن ہے۔“^[۳] امام کا رتبہ فرشتوں اور رسولوں سے بلند ہے، لہذا لکھا ہے:

”إن من ضروريات مذهبنا أن لائمتنا مقاما لا يبلغه ملك مقرب ولا نبي مرسل۔“
”ہمارے مذہب کی ضروریات میں سے ہے کہ ہمارے ائمہ کا وہ مقام ہے، جس پر نہ کوئی مقرب فرشتہ پہنچ سکتا ہے نہ مرسل نبی۔“^[۴]

اسی طرح امام کے متعلق عقیدہ ہے کہ:

”أنه معصوم من الذنوب كلها صغيرها وكبيرها، لا يزل عن الفتيا، ولا يخطئ في الجواب، ولا يسهو ولا ينسى۔“

”وہ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے معصوم ہوتا ہے، نہ توفتوے میں غلطی کرتا ہے اور نہ ہی جواب دینے میں خطا ہوتی ہے، نہ سہو ہوتا، نہ نسیان۔“^[۵]

بہر حال عقیدہ امامت ہمارا موضوع نہیں، اس کی تفصیل دیگر کتب میں دیکھی جاسکتی ہے۔

انہیں 'اثنا عشریہ' اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں "بارہ ائمہ" منصوص علیہ ہیں، جنہیں منصب امامت بذریعہ وحی "تفویض" کیا گیا ہے۔

لہذا کہتے ہیں:

”نعتقد أن الأئمة الذين لهم صفة الإمامة الحققة هم مرجعنا في الأحكام الشرعية المنصوص عليهم بالإمامة اثنا عشر إماما، نص عليهم النبي صلى الله عليه وآله جميعا بأسمائهم۔“

”ہمارا عقیدہ ہے کہ منصوص علیہ ائمہ بارہ ہیں جن کے پاس حقیقی صفت امامت ہے، احکام شریعت میں ہمارے مرجع ہیں،

[۱] شرح اصول کافی لمحمد بن صالح المازندرانی: 272/2

[۲] شرح اصول کافی لمحمد بن صالح المازندرانی: 272/2

[۳] عقائد الإمامية، ص: 79

[۴] الحكومة الإسلامية للخميني: 52، نیز دیکھئے: العصمة لکمال حیدری: 17، ودایع النبوة للطهرانی: 114 وغیرہ

[۵] میزان الحكومة لمحمد الری الشهري: 174/1، عقائد الإمامية: 67، الحكومة الإسلامية للخميني: 52

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ناموں کے ساتھ صراحت فرمائی ہے۔“ [۱]

ان ائمہ میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرنے والا کافر و جہنم کا مستحق ہے، چنانچہ لکھا ہے:

”اتفقت الامامية على أن من أنكر إمامة أحد من الأئمة وجد ما أوجبه الله تعالى له من فرض الطاعة فهو كافر ضال مستحق للخلود في النار۔“

”امامیہ کا اتفاق ہے کہ جس نے کسی ایک امام کی امامت کا انکار کیا اور جو اطاعت اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کی اس کا انکار کیا تو وہ کافر، گمراہ اور بیٹھگی کی جہنم کا مستحق ہے۔“ [۲]

ان ائمہ میں سے سب سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سب سے آخری محمد مہدی المہر ہیں۔

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ اہل سنت کے ہاں مخلوق میں نبوت و رسالت سے افضل یا اس کے مساوی کوئی منصب نہیں اور نہ ہی انبیاء و فرشتوں کے علاوہ کسی کے لیے عصمت ہے۔

اب آتے ہیں اس موضوع کی طرف کہ اہل سنت کے ہاں ان بارہ شخصیات کا کیا مقام ہے جنہیں فرقہ اثنا عشریہ معصوم ائمہ قرار دیتا ہے، چونکہ ان سب کی سیرت کا جائزہ اس مختصر مضمون میں نہیں لیا جاسکتا اس لیے ذیل میں مختصر وضاحت پیش خدمت ہے۔

① سیدنا علی بن ابی طالب ابوالمحسن المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (40ھ):

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی، عظیم صحابی، چوتھے خلیفہ ہیں آپ کے جنتی ہونے کی قطعی ضمانت بزبان نبوت موجود ہے، نبی کریم رضی اللہ عنہ نے ان کی محبت کو معیار ایمان قرار دیا۔

چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ نے میرے متعلق فرمایا:

”لَا يَحْتَبِي إِلَّا مَوْمِنٌ، وَلَا يَبْغِضُنِي إِلَّا مَنَافِقٌ۔“

”صرف مومن ہی مجھ سے محبت کرے گا اور صرف منافق ہی مجھ سے بغض رکھے گا۔“ [۳]

رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول رضی اللہ عنہ ان سے محبت کرتے ہیں، اور وہ بھی اللہ و رسول سے محبت کرتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے اپنی نسبت کو سیدنا موسیٰ و ہارون علیہ السلام کی باہمی نسبت سے تشبیہ دی اور انہیں دونوں بیٹوں (سیدنا حسن و حسین رضی اللہ عنہما سمیت) اپنے اہل بیت میں شامل فرمایا۔ [۴]

رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”جس کا میں دلی دوست ہوں، علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے دلی دوست ہیں۔“ [۵]

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم رضی اللہ عنہ کے بعد اس امت میں سب سے افضل سیدنا ابوبکر ہیں، پھر سیدنا عمر، پھر سیدنا عثمان اور پھر سیدنا

[۱] عقائد الإمامية، ص: 77

[۲] يقول شيخ المفيد كاهن في مجلسي في بحار الانوار: 366/8

[۳] صحيح مسلم: 78

[۴] صحيح مسلم: 2404

[۵] سنن الترمذی: 3713

علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔^[۱]

بقول امام احمد رحمہ اللہ، جتنے فضائل آپ کے احادیث میں آئے ہیں، اتنے کسی دوسرے صحابی کے نہیں۔^[۲]

۷۔ سیدنا حسن بن علی ابو محمد رحمہ اللہ (50ھ):

آپ رحمہ اللہ بھی جلیل القدر صحابی، نبی کریم ﷺ کے نواسے اور آپ کے محبوب تھے، آپ ﷺ نے انہیں سید یعنی سردار قرار دیا۔^[۳] نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت کرے اس سے محبت کر۔“^[۴]

اسی طرح فرمایا:

”جس نے ان دونوں (یعنی حسن و حسین رحمہ اللہ) سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھا۔“^[۵]

آپ دونوں بھائی رحمہ اللہ نبائیں نبی کریم ﷺ کے پھول تھے۔^[۶] اور آخرت میں جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔^[۷] حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

”الإمام السَّيِّدُ، رِيحَانَةُ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَسَيِّدُ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، أَبُو مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ، الْهَاشِمِيُّ، الْمَدَنِيُّ، الشَّهِيدُ۔“

”امام، سید، رسول اللہ ﷺ کے پھول اور نواسے، نوجوانانِ جنت کے سردار، ابو محمد، ہاشمی، مدنی، شہید۔“^[۸] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سبط رسول الله صلى الله عليه وسلم وريحانته وقد صحبه وحفظ عنه مات شهيدا۔“

”رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور پھول، آپ کے ساتھ رہے اور حدیثیں یاد کیں۔“^[۹]

۸۔ سیدنا حسین بن علی ابو عبد اللہ الشہید رحمہ اللہ (61ھ):

آپ رحمہ اللہ، نواسہ رسول، جلیل القدر صحابی، اللہ و رسول کے محبوب تھے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ آپ نوجوانانِ جنت کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے پھول تھے۔

[۱] عقيدة السلف وأصحاب الحديث للصابوني وغيره

[۲] مستدرک حاکم: 107/3 ح: 4572 وسنده حسن

[۳] صحيح البخاری: 2704

[۴] صحيح البخاری: 2122، صحيح مسلم: 2421

[۵] مسند احمد: 2/440 وسنده حسن

[۶] صحيح البخاری: 3753

[۷] سنن الترمذی: 3781 وسنده حسن

[۸] سير أعلام النبلاء: 3/246

[۹] تقريب التهذيب: 1260

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”الإمام، الشَّرِيف، الكامل، سَبَطَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَرِيحَانَتُهُ مِنَ الدُّنْيَا، وَمُحِبُّوهُ -“
”امام، شریف وکامل، نورہ رسول اللہ ﷺ، دنیا میں آپ ﷺ کے پھول محبوب۔“ [۱]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”سَبَطَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِيحَانَتَهُ حِفْظَ عَنْهُ اسْتِشْهَادُ يَوْمِ عَاشُورَاءِ سَنَةِ إِحْدَى وَسِتِّينَ
وَلَهْ سِتُّ وَخَمْسُونَ سَنَةً -“

”رسول اللہ ﷺ کے نوا سے اور آپ کے پھول، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے احادیث یاد کیں، 160 ہجری عاشوراء کے دن 56 سال کی عمر میں شہید کر دیے گئے۔ (طائفة)“ [۲]

④ **سیدنا علی بن الحسین ابوالحسن زین العابدین رحمہ اللہ (95ھ):**

آپ رحمہ اللہ ثقہ امام اور عظیم تابعی تھے، کتب ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ثَقَّةٌ ثَبَتَ عَابِدُ فُقَيْهٍ فَاضِلٌ قَالَ ابْنُ عِيْنَةَ عَنْ الزَّهْرِيِّ مَا رَأَيْتُ قَرَشِيًّا أَفْضَلَ مِنْهُ -“
”ثقہ، ثبوت، عبادت گزار فقیہ، مشہور و فاضل ہیں، سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے قریش میں ان سے افضل کوئی نہیں دیکھا۔“ [۳]
انہیں ”علی اصغر“ بھی کہا جاتا ہے۔

⑤ **سیدنا محمد بن علی بن الحسین ابوجعفر الباقر رحمہ اللہ (114ھ):**

آپ رحمہ اللہ ثقہ امام، عالم باعمل، عالی مرتبت، زاہد و متقی تھے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”كَانَ أَحَدَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ، وَالشُّؤْدُودِ وَالشَّرَفِ، وَالثَّقَّةِ وَالزَّانَةِ، وَكَانَ أَهْلًا لِلْخِلَافَةِ -“
”آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے علم و عمل، سرمداری و شرف، ثقاہت و وقار کو جمع کر رکھا تھا اور آپ خلافت کے اہل تھے۔“ [۴]

نیز فرماتے ہیں:

”كَانَ أَبُو جَعْفَرٍ إِمَامًا مَجْتَمِعِدًا، تَالِيًا لِكِتَابِ اللَّهِ، كَبِيرَ الشَّأْنِ وَنُجْنُهُ فِي اللَّهِ، لَمَّا تَجَمَّعَ فِيهِ مِنْ صِفَاتِ الْكِبَالِ -“

[۱] سیر أعلام النبلاء: 280/3

[۲] تقریب التهذیب: 1344

[۳] تقریب التهذیب: 4715

[۴] سیر أعلام النبلاء: 402/4

”ابوجعفر مجتہد امام تھے، بکثرت تلاوت قرآن کرنے والے، عالی مرتبت تھے،..... ان میں صفات کمال کی اس موجودگی کی وجہ سے ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔“ [1]

اسی طرح فرماتے ہیں:

”هُوَ أَحَدُ الْأَئِمَّةِ الْاِثْنِي عَشَرَ الَّذِينَ تَبِعَ لَهُمُ الشَّيْعَةُ الْإِمَامِيَّةُ، وَتَقُولُ بِعِصْمَتِهِمْ وَبِمَعْرِفَتِهِمْ بِجَمِيعِ الدِّينِ، فَلَا عِصْمَةَ إِلَّا لِكُلِّ مَلَائِكَةٍ وَالنَّبِيِّينَ، وَكُلُّ أَحَدٍ يَصْنِبُ وَيَخْطِئُ، وَيُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهِ وَيُتْرَكُ، سِوَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِنَّهُ مَعْصُومٌ، مُؤَيَّدٌ بِالْوَحْيِ -“

”آپ ان بارہ ائمہ میں سے ایک ہیں جن کی ”شیعہ امامیہ“ بالغلط تو قیہ کرتے اور ان کی عصمت و جمع دین کی معرفت کا اعتقاد رکھتے ہیں، حالانکہ انبیاء و ملائکہ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، ہر ایک سے غلطی و صواب کا صدور ہوتا ہے اور ہر ایک کی بات قبول یا رد کی جاسکتی ہے، سوائے نبی کریم ﷺ کے، کیوں آپ معصوم اور وحی الہی سے تائید یافتہ ہیں۔“ [2]

آپ کتب ستہ کے رواقہ میں سے ہیں، وسعت علمی کی وجہ سے انہیں ”الباقر“ کہا جاتا ہے۔ بعض روافض نے روایت بنا رکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق پیشین گوئی کی تھی اور ان کا نام باقر بتایا تھا۔ [3]

امام محمد الباقر ؑ نے فرمایا:

”مَنْ لَمْ يَعْرِفْ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَعَمَرَ وَضِيَّ اللَّهِ عَنْهَا فَقَدْ جَهِلَ الشَّيْخَةَ -“

”جو سیدنا ابوبکر و عمر ؓ کی فضیلت نہیں جانتا گو یا وہ سنت سے جاہل و ناواقف ہے۔“ [4]

اسی طرح جب آپ سے ابوبکر و عمر ؓ کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا:

”وَاللَّهِ إِنِّي لَأَتَوَلَّاهُمَا وَاسْتَعْفُزُ لَهُمَا، وَمَا أَدْرَاكَ كُنَّا أَحَدًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي إِلَّا وَهُوَ يَتَوَلَّاهُمَا -“

”اللہ کی قسم میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے لیے استغفار کرتا ہوں، اور میں نے اپنے اہل بیت کے ہر فرد کو ان سے محبت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔“ [5]

⑥ سیدنا جعفر بن محمد بن علی ابوعبداللہ الصادق ؑ (148ھ):

آپ ؑ عظیم فقیہ و عالم تھے، ائمہ اسلام میں سے امام تھے۔

حافظ ذہبی ؒ فرماتے ہیں:

”الْإِمَامُ، الصَّادِقُ، شَيْخُ بَنِي هَاشِمٍ، أَبُو عَبْدِ اللَّهِ الْقُرَشِيُّ، الْهَاشِمِيُّ، الْعَلَوِيُّ، النَّبَوِيُّ، الْمَذَنِيُّ، أَحَدُ الْأَعْلَامِ -“

[1] سیر أعلام النبلاء: 402/4

[2] سیر أعلام النبلاء: 402/4

[3] زهر الربيع لنعمة الله جزائري: 31

[4] فضائل الصحابة للدارقطني: 33 و سندہ حسن، الشريعة للآجری: 1803

[5] فضائل الصحابة للدارقطني: 37، تاریخ دمشق: 385/54 و سندہ حسن

”امام، صادق، بنو ہاشم کے شیخ، ابو عبد اللہ قرشی، ہاشمی، علوی، نبوی، مدنی، عظیم امام۔“ [۱]

آپ کتب ستہ وغیرہ کے راوی ہیں۔ [۲]

امام جعفر الصادق ؑ نے فرمایا:

”أَيَسِبُّ الرَّجُلُ جَدَّهُ؟ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ جَدِّي لَا نَالَنِي شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَتَوْا هُمَا وَأَبْرَأُ مِنْ عَدُوِّهِمَا۔“

”کیا کوئی اپنے نانا کو برا کہتا ہے؟ ابو بکر ؓ تو میرے نانا تھے، اور اگر میری ابو بکر و عمر ؓ سے محبت اور ان کے دشمن سے

براءت نہ ہو تو میں بروز قیامت رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دیا جاؤں۔“ [۳]

اسی طرح فرمایا:

”إِنَّ الْخَبَاءَ مِنْ أَهْلِ الْعِرَاقِ يَزْعُمُونَ أَنَّا نَفْعُ فِي أَبِي بَكْرٍ وَعَمْرٍو هُمَا وَالِدَايَ۔“

”اہل عراق میں سے کچھ خبیث لوگوں کا خیال ہے کہ ہم ابو بکر و عمر ؓ کو برا کہتے ہیں، حالانکہ وہ تو میرے والد ہیں۔“ [۴]

حافظ ذہبی ؒ فرماتے ہیں:

”كَانَ يَغْضَبُ مِنَ الرَّافِضَةِ۔“

”آپ روافض سے غصہ ہوتے تھے۔“ [۵]

② **موسیٰ بن جعفر بن محمد ابوالحسن اکاظم ؒ (183ھ):**

آپ کی سنن الترمذی وابن ماجہ میں روایت ہے، ثقہ صدوق اور عبادت گزار تھے۔

امام ابو حاتم ؒ فرماتے ہیں:

”ثِقَّةٌ صَدُوقٌ إِمَامٌ مِنْ أئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ۔“

”یعنی آپ ثقہ صدوق، مسلمانوں کے ائمہ میں سے ایک امام تھے۔“ [۶]

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں:

”صَدُوقٌ عَابِدٌ۔“ [۷]

حافظ ذہبی ؒ فرماتے ہیں:

”الإمام، الفذوة، السَّيِّدُ۔“ [۸]

[۱] سیر أعلام النبلاء: 255/6

[۲] تقریب التهذیب: 950

[۳] فضائل الصحابة للدارقطنی: 29، فضائل الصحابة لأحمد: 176 و سندہ حسن

[۴] فضائل الصحابة للدارقطنی: 76 و سندہ حسن

[۵] سیر أعلام النبلاء: 255/6

[۶] الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 139/8

[۷] تقریب التهذیب: 6955

[۸] سیر أعلام النبلاء: 270/6

⑤ علی بن موسیٰ بن جعفر ابو الحسن الرضا ؑ (203ھ):

آپ ؑ صدوق، حسن الحدیث تھے، سنن ابن ماجہ میں آپ کی ایک روایت موجود ہے۔

حافظ ابن حبان ؑ فرماتے ہیں:

”مَنْ سَادَاتِ أَهْلِ الْبَيْتِ وَعَقْلَانِهِمْ وَجَلَّةِ الْهَاشِمِيِّينَ وَنَبْلَانِهِمْ يَجِبُ أَنْ يَغْتَبَرَ حَدِيثُهُ إِذَا رَوَى عَنْهُ غَيْرَ أَوْلَادِهِ وَشَبِيعَتِهِ۔“

”آپ ساداتِ اہل بیت اور ان کے اربابِ فراست میں سے تھے، ہاشمیوں کے عظیم المرتبت وزیرک اشخاص میں سے

تھے، جب ان کی اولاد و شیعہ کے علاوہ کوئی ان سے حدیث بیان کرے تو اسے قبول کرنا لازم ہے۔“ [۱]

حافظ ابن حجر ؑ نے انہیں صدوق کہا۔ [۲]

حافظ ذہبی ؑ فرماتے ہیں:

”كَتَبْتُ السَّانِ، أَهْلًا لِلْخِلَافَةِ، وَلَكِنْ كَذَبَتْ عَلَيْهِ وَفِيهِ الزَّافِضَةُ، وَأَطْرَوْهُ بِهَا لَا يَجُوزُ، وَادَّعَوْا فِيهِ الْعِصْمَةَ، وَغَلَّتْ فِيهِ۔“

”آپ عالی مقام اور خلافت کے لائق تھے، لیکن روافض نے ان پر اور ان کی متعلق خوب جھوٹ بولا، ان کے مقام کو اتنا

بڑھا دیا جو جائز نہیں تھا، ان کے متعلق دعویٰ عصمت اور حد درجہ غلو کیا۔“ [۳]

تصحیح:

حافظ ابن حبان ؑ فرماتے ہیں:

”يُرْوَى عَنْ أَبِيهِ الْعَجَائِبُ۔۔۔ كَأَنَّهُ كَانَ يَهْمُ وَيُحْطِئُ۔“

”اپنے والد سے عجیب روایات بیان کرتے ہیں۔۔۔ شاید ان سے روایت حدیث میں وہم و خطا کا صدور ہو جاتا تھا۔“ [۴]

اس سلسلے میں عرض ہے کہ ان عجیب روایات کو بیان کرنے میں ان سے نچلے طبقے کے راویوں کا ہاتھ ہے، کیوں کہ اہل بیت کے افراد

پر دل کھول کر جھوٹ باندھے گئے ہیں، جیسا کہ خود ابن حبان ؑ نے اس کی توضیح کی ہے۔ [۵]

⑥ محمد بن علی بن موسیٰ الجواد ابو جعفر اسی ؑ (220ھ):

ان کی چونکہ قابل ذکر روایات نہیں، شاید اس کی وجہ ان کا محض پچیس سال کی عمر میں وفات پا جانا ہے، اسی لیے متقدمین محدثین سے ان

کی بابت کوئی معلومات نہیں ملتیں، البتہ (جیسا کہ آگے ذکر آئے گا کہ) حافظ ابن حجر ؑ نے چونکہ ان تمام ائمہ کو ثقہ قرار دیا ہے اور یہ ان کی واضح توثیق ہیں۔

[۱] الثقات: 456/8

[۲] تقریب التہذیب: 4804

[۳] سیر أعلام النبلاء: 392/9

[۴] کتاب المجر وحین: 106/2

[۵] الثقات: 456/8، نیز دیکھیے: اللغنی فی الضعفاء للذہبی: 456/2

اسی طرح سبط ابن الجوزی لکھتے ہیں:

”كان على منهاج أبيه في العلم والوجود والتقى والسؤدد والكرم۔“

”آپ علم و سخاوت، تقویٰ اور شرف و کرم میں اپنے والد کے طرح ہی تھے۔“ [1]

بیان کیا جاتا ہے کہ خلیفہ مامون نے اپنی بیٹی ام الفضل کی شادی ان سے کی تھی۔ [2]

⑩ **علی بن محمد بن علی ابو الحسن النقی البہادی** رحمۃ اللہ علیہ (254ھ):

انہیں نقی یا ہادی کا لقب بھی دیا جاتا ہے، معتقدین سے ان کے متعلق توثیق نہیں ملتی۔

البتہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں السید، الشریف اور الفقیہ کہا۔ [3]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی توثیق کی ہے۔ [4]

⑪ **الحسن بن علی بن محمد بن علی ابو محمد الحسکی الزکی** رحمۃ اللہ علیہ (260ھ):

ان کی بھی کوئی خاص روایات تو نہیں ہیں، البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان کے متعلق فرماتے ہیں:

”أما الحسن بن علي وآبائه فهم فضلاء ثقات، وهم الأئمة عند الإمامية الإثني عشرية۔“

”حسن بن علی اور ان کے آباء فضلاء اور ثقہ ہیں، اور یہ امامیہ اثنا عشریہ کے نزدیک ائمہ ہیں۔“ [5]

⑫ **محمد بن الحسن بن علی:**

امامیہ کے ہاں انہیں مہدی منتظر کہا جاتا ہے، ان کا خیال ہے گیارہویں امام حسن بن علی عسکری کے گھر بیٹا پیدا ہوا پھر وہ دو تین سال کی عمر میں سامرا کی ایک غار میں جا چسپے تھے، پہلے تو وہ بالواسطہ دنیا سے تعلق رکھے ہوئے تھے، پھر مکمل طور پر غائب ہو گئے اور ان کا عن قریب ظہور ہوگا جس کا صدیوں سے انتظار کیا جا رہا ہے، اس عقیدہ میں بہت سی مضحکہ خیزیاں ہیں جن پر کلام باعری طوالت ہوگا، مختصر اور درست بات یہ ہے کہ ایسے کسی مہدی کا کوئی وجود نہیں، مجاہد ملت علامہ احسان الہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وأما نحن فلا نعتقد بولادة غائبهم الموهوم، ونجزم أن الحسن العسكري لم يتزوج ولم يولد له ولد،

لا في حياته ولا بعد وفاته بشهادة الشيعة أنفسهم۔“

”ہم تو ان کے امام غائب و موهوم کی ولادت کو ہی نہیں مانتے بلکہ بالجزم کہتے ہیں کہ حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو شادی کی اور نہ

ہی ان کے زندگی میں یا بعد از وفات ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا، اس پر خود شیعیہ کی گواہی موجود ہے۔“ [6]

حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس گھڑبیل عقیدے کے متعلق فرماتے ہیں:

[1] مرآة الزمان في تواريخ الأعيان: 240/14

[2] نیز دیکھیے: تاریخ بغداد: 265/3، المنتظم لابن الجوزی: 62/11، البدايه والنهايه لابن كثير: 197/14

[3] تاريخ الاسلام: 130/6

[4] نیز دیکھیے: تاریخ بغداد: 518/13، المنتظم لابن الجوزی: 74/12 وغیرہ

[5] موافقة الخبر الخبر: 357/1

[6] الرد على الدكتور عبد الواحد: 56

”أما الرافضة الإمامية: فَلَهُمْ قَوْلٌ رَابِعٌ: وَهُوَ أَنَّ الْمَهْدِيَّ هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ الْعَسْكَرِيِّ الْمُنْتَظَرِ مِنْ وَلَدِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ لَا مِنْ وَلَدِ الْحَسَنِ الْحَاضِرِ فِي الْأَمْصَارِ الْغَائِبِ عَنِ الْأَبْصَارِ الَّذِي يُورِثُ الْعَصَا وَيَخْتِمُ الْقَصَادَ دَخَلَ سِوَابَ سَامِرَاءَ طِفْلاً صَغِيرًا مِنْ أَكْثَرِ مَنْ خَمْسَ مِائَةِ سَنَةٍ فَلَمْ تَزَلْ بَعْدَ ذَلِكَ عَيْنٌ وَلَمْ يَحْشُ فِيهِ بِخَبَرٍ وَلَا أَنْزَلَ وَهُمْ يَنْتَظِرُونَ كُلَّ يَوْمٍ يَقِفُونَ بِالْحَبْلِ عَلَى بَابِ السِّوَابِ وَيَصْبِيحُونَ بِهِ أَنْ يَخْرُجَ إِلَيْهِمْ أَخْرَجَ يَامُولَانَا لَاحْتِاجَ يَامُولَانَا ثُمَّ يَرْجِعُونَ بِالْخَبِيَةِ وَالْحَرَمَانِ فَهَذَا أَدَابُهُمْ وَدَأْبُهُ“

”روافض امامیہ، مہدی منتظر کے متعلق ایک چوتھی رائے رکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک محمد بن الحسن عسکری ہی مہدی منتظر ہیں جو سیدنا حسن بن علی علیہ السلام کی بجائے سیدنا حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، آنکھوں سے اوجھل ہیں لیکن شہروں میں موجود، پانچ سو سال قبل چھوٹے سے بچے تھے جب سامراء کی غار میں داخل ہوئے تھے، پھر نہ تو انہیں کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ان کی کوئی خبر و اثر ہے، وہ ہر روز گھوڑے پر غار کے دہانے پر کھڑے ہو کر انتظار کرتے اور پکارتے ہیں: مولانا باہر تشریف لائیں۔ پھر محروم و نامراد واپس لوٹتے، یہی ان کی اور اس (مہدی منتظر) کی روزانہ کی روٹین ہے۔“ [۱]

یہاں یہ امر بھی وضاحت طلب ہے کہ اہل سنت کے ہاں بھی امام مہدی علیہ السلام کے قرب قیامت تشریف لانے کا عقیدہ بالاتفاق موجود ہے، جس کی بنیاد متواتر احادیث ہیں اور ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ [۲]

مولانا نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ، ظہور مہدی کو علامات قیامت میں بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”ان علامات کا منکر کافر ہے۔“ [۳]

البتہ اس عقیدے کا روافض کے ’مہدی منتظر‘ سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”مہدی علیہ السلام کے متعلق بہت سی احادیث مروی ہیں، بعض علماء نے اس کے متعلق کتب لکھی ہیں اور ذکر کیا کہ یہ احادیث متواتر ہیں، ان میں صحیح و حسن احادیث بھی ہیں اور کچھ ضعیف و من گھڑت بھی، البتہ یہ تو نبی کریم ﷺ سے صحیح و حسن روایات سے ثابت ہے کہ آخری زمانے میں مہدی ہوں گے، ان کا نام و ولدیت نبی کریم ﷺ کے نام و ولدیت کے مطابق محمد بن عبد اللہ ہوگا، اہل بیت سے ہوں گے، اور درست بات یہی ہے کہ ان کا نزول عیسیٰ کے قریب تشریف لانا حق ہے، بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ داعی الی اللہ لکھ کر سپہ سالار ہوں گے، زمین کو عدل سے بھر دیں گے، اللہ کی طرف بلائیں گے، عدل پھیلانے لگیں گے، ظلم ختم کریں گے اور شعائر اللہ بلند کرتے رہیں گے یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو جائیں گے۔ باقی رہا روافض کا نظریہ مہدی تو وہ باطل و جھوٹا ہے، وہ جو غار والا مہدی سمجھتے ہیں یہ تو محض خرافات و بے بنیاد گھڑبیل باتیں ہیں، ہمارے مہدی علیہ السلام روافض کے مہدی کے علاوہ ہیں۔“ [۴]

[۱] المنار المنيف: 152

[۲] دیکھیے: ماہنامہ المحجۃ شمارہ 03 اگست 2020 صفحہ 4:

[۳] مجموعہ رسائل العقیدہ: 544/3

[۴] فتاویٰ نور علی الدرب: 288/4-289 بتصرف

فرقہ امامیہ اثنا عشریہ کے 'ائمہ' اہل سنت کی نظر میں

خلاصہ کلام:

فرقہ امامیہ کے بارہ ائمہ کی اہل سنت کے مطابق چار قسمیں بنائی جاسکتی ہیں [۱]:

پہلی قسم:

سیدنا علی وحسن وحسین رضی اللہ عنہما تینوں صحابی ہیں، نصوص وحی سے ان کی شان و فضیلت ثابت ہے، شرف صحابیت میں دیگر صحابہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں بلکہ کچھ صحابہ ان تینوں سے افضل ہیں، مثلاً سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

دوسری قسم:

سیدنا علی زین العابدین، محمد الباقر، جعفر الصادق، موسیٰ کاظم، علی الرضا رضی اللہ عنہم، یہ اہل سنت کے ہاں ثقہ و معتبر روایان میں سے ہیں، ان کی روایات کتب اہل سنت میں ہیں۔

تیسری قسم:

محمد اقصیٰ، علی الہادی، الحسن العسکری رضی اللہ عنہم، ان کی کتب اصول میں روایات نہ ہونے کی وجہ سے متقدمین محدثین کے ہاں بطور توثیق ذکر نہیں ملتا، البتہ ان کے پاس ہاشمی و خاندوہ نبوت سے تعلق کی فضیلت و حرمت ہے۔

چوتھی قسم:

محمد المہدی ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں، محض پروپیگنڈہ ہے۔
و ما علینا إلا البلاغ المبین۔



[۱] نیز دیکھیے: منهاج السنہ لابن تیمیہ: 387/6

فقید ملت حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ سے انٹرویو

عما ظہیر سعیدی

دو سال قبل میں نے اور برادر مر فیضان فیصل نے مل کر علماء کے انٹرویوز کا سلسلہ شروع کیا تھا جو بوجہ زیادہ دیر نہ چل سکا۔ ہماری خوش قسمتی رہی کہ ہمیں حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ جیسی نابغہ روزگار شخصیت کا انٹرویو کرنے کا موقع ملا۔ حافظ صاحب مرحوم نے نہ صرف انٹرویو دیا بل کہ فراموشی سے آئندہ بھی وقت دینے کا عندیہ دیا۔ مگر ہماری سستی آڑے رہی اور حافظ صاحب داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ یہ انٹرویو حافظ صاحب کی حیات میں بھی شائع ہوا مگر اب اسے خود حافظ صاحب مرحوم کے احالہ کردہ مقامات سے بعض اضافوں کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

سوال: اپنے مکمل نام، لقب، جائے پیدائش اور سن پیدائش وغیرہ سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: میرا نام صلاح الدین یوسف بن حافظ عبد الشکور بن عبد الرزاق بن محمد اعظم ہے۔ والد مرحوم مولانا محمد یوسف جے پوری رحمہ اللہ (مصنف ”حقیقۃ الفقہ“) کے شاگرد تھے۔ ان سے والد مرحوم نے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا۔ تو ان کے نام پر ہی والد صاحب نے میرا نام محمد یوسف رکھا۔

جب میں نے ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین لکھنے شروع کیے تو مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانی رحمہ اللہ میرے نام کے ساتھ کراچی لکھ دیا کرتے تھے، میں ان سے کہا کرتا تھا کہ حافظ محمد یوسف ہی رہنے دیا کریں تو وہ فرمانے لگے کہ حافظ محمد یوسف تو بہت ہیں، ایک خاص پہچان ہونی چاہیے۔ میں اکثر سوچ و بچا رہیں رہتا کہ یوسف کے ساتھ کیا رکھا جائے۔ میں نے کئی نام مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کو بتائے مثلاً یوسف سلیم وغیرہ، لیکن مولانا کو کوئی نام پسند نہیں آتا تھا۔ پھر میں نے کہیں پڑھا کہ صلاح الدین ایوبی کا نام یوسف تھا، تو میں نے صلاح الدین یوسف کی ترکیب بنالی اور مولانا بھوجپانی رحمہ اللہ کو بتائی تو انہوں نے پسند کر لی۔ اس طرح میں نے اپنا نام صلاح الدین یوسف رکھ لیا۔ اس نام کی حیثیت تخلص کی بجائے ایک لقب کی سی ہے۔ علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا تھا کہ نام کی ترکیب ”یوسف صلاح الدین“ ہونی چاہیے لیکن مجھے صلاح الدین یوسف ہی اچھا لگا۔ اور اب میں صلاح الدین یوسف کے نام ہی سے جانا جاتا ہوں۔

میری پیدائش 1946ء میں جے پور میں ہوئی، جو قبل از تقسیم ایک ہندوستان ریاست کی راجدھانی تھی اور اب صوبہ راجھستان کا حصہ ہے۔ جے پور کا مہاراجہ بڑا اچھا آدمی تھا۔ اس شہر میں ہندو مسلم فساد کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہاں کافی امن و امان تھا۔ اس وجہ سے ہمارا پاکستان آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ہمارے والد کے بڑے بھائی 1947ء میں پاکستان آ گئے تھے۔ اور کچھ عرصہ بعد ان کا خط آ گیا کہ میں کافی بیمار ہوں۔ تو والد صاحب نے پاکستان آنے کا پروگرام بنایا اور ہم پاکستان آ گئے۔ میری عمر تب 3 یا 4 سال تھی۔ پہلے پہل ہم نے حیدر آباد میں قیام کیا پھر ہم

کراچی چلے گئے۔

سوال: آپ کا تعلیمی سفر کیسا رہا؟ اس سے کچھ آگاہ فرمائیں۔

جواب: ہمارے گھرانے میں تعلیم کا سلسلہ زیادہ نہیں تھا۔ والد صاحب قرآن کریم کے حافظ اور اس کے مطالب و معانی کو خوب سمجھنے والے تھے مگر باقاعدہ عالم دین نہیں تھے۔ لہذا تعلیمی سلسلہ نہ ہونے کی وجہ سے میرا زیادہ بچپن پونہی کھلنڈرے پن میں گزرا۔ صرف والد صاحب سے گھر میں ”دستور المتقی“ کا کچھ حصہ سبقاً سبقاً پڑھا جس سے اردو سے کچھ واقفیت ہو گئی۔ لیکن اسکول نہیں گیا۔

جب والد صاحب کراچی منتقل ہوئے تو وہاں مسجد رحمانیہ اہل الحدیث بوہرہ کراچی میں ناظرہ قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ ناظرہ مکمل ہو جانے کے بعد حفظ کا ارادہ نہیں تھا لیکن ہمارے ناظرے کے استاد قاری محمد بشیر ترقی ﷺ گھر تشریف لائے اور والد صاحب کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ مجھے قرآن مجید حفظ کروائیں۔ چنانچہ ان کی خواہش اور اصرار پر مجھے شعبہ حفظ میں داخل کروا دیا گیا۔ وہاں ایک نوجوان دیوبندی استاد قاری اشفاق تھے، نہایت محنتی، اوقات کے بڑے پابند اور پڑھانے میں کسی رُورعایت کے قائل نہ تھے۔ اللہ کی توفیق اور ان کی محنت کی وجہ سے محض ایک سال میں قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا۔

ہمارے والد صاحب کو علماء سے بہت محبت تھی۔ پنجاب سے علماء کراچی جاتے تو ان کو گھر بلا کر ضیافت کرتا والد صاحب کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ اسی وجہ سے ہمارے گھر میں علماء کی آمد و رفت رہتی تھی۔ جو بھی کوئی عالم آتا والد صاحب ان سے تذکرہ کرتے کہ ہمارے بیٹے نے قرآن حفظ کیا ہوا ہے، تو وہ کہتے: بیٹے سناؤ! تو میں ان کو قرآن مجید سناؤ۔ جو بھی قرآن سنا تو یہی کہتا ہے کچھ کو عالم دین بناؤ۔ اسی طرح ایک مرتبہ قاری عبد الغفار رحمانی ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ والد صاحب نے ان کے سامنے بھی تذکرہ کیا کہ ہمارے بچے نے حفظ قرآن کیا ہوا ہے۔ انہوں نے بھی قرآن مجید سننے کی خواہش کی۔ میں نے ان کو سورۃ بقرہ کا کوئی رکوع سنایا تو قاری صاحب فرمانے لگے۔ واہ بھی تم نے تو ہمیں ہی وعظ سنا دیا۔ اسی طرح والد صاحب کے جاننے والے ایک حنفی عالم دین مولانا عبدالرشید نعمانی ہمارے گھر تشریف لائے۔ انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ بچہ کو میرے سپرد کر دیں، میں اس کو پڑھاؤں گا، تو والد صاحب نے انکار کر دیا اور بعد میں مجھ سے کہنے لگے میں اگر ان کے سپرد کر دیتا تو ٹو اہل الحدیث نہ رہتا اور دیوبندی بن جاتا۔

تو عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح ناظرہ قرآن پڑھنے کے بعد حفظ قرآن کا کوئی ارادہ نہ تھا، اسی طرح حفظ قرآن کے بعد درس نظامی کی تعلیم کا بھی کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن علماء کے مشورے کی وجہ سے والد صاحب ﷺ نے حفظ قرآن کے بعد مجھے علوم دینیہ کی تحصیل پر لگا دیا۔ اس وقت کراچی میں دو سکروں پر محیط ”جامع العلوم سعودیہ“ نام کا چھوٹا سا ایک مدرسہ ہوتا تھا۔ ایک کمرے میں دو استاد قرآن کریم کے ناظرے اور حفظ کی کلاس لیتے تھے جب کہ دوسرے کمرے میں جو اس سے قدرے بڑا تھا، شعبہ درس نظامی قائم تھا۔ میں نے وہیں درس نظامی شروع کیا۔

ہمارا گھر مدرسہ کے قریب ہی تھا۔ میں روزانہ گھر چلا جایا کرتا تھا۔ وہاں راستے میں فٹ پاتھر پر ایک دیوبندی بزرگ کتابوں کا اسٹال لگاتے تھے۔ میں روزانہ وہاں کتابیں بھی دیکھتا، کچھ مطلب کی ہوتی تو خرید لیتا تھا۔ جب کچھ شناسائی ہو گئی تو پڑھنے کے لیے ادھار بھی دے دیتے تھے۔ تو مطالعہ کا شوق ابتدائے عمر یعنی بچپن سے ہی تھا۔ اتفاق ایسے ہوا کہ ہمارے مدرسہ کے ناظم دفتر جماعت اسلامی کے بڑے سرگرم رکن تھے۔ اُن کے پاس جماعت اسلامی کے رسائل ”ترجمان القرآن“ اور ”ایشیاء“ وغیرہ کی انجمنی تھی۔ میں اُن سے لے کر رسائل بھی پڑھ لیا کرتا

تھا۔ میرا یہ شوق اس قدر بڑھ گیا کہ میں گھر آتے جاتے ہوئے کتابیں پڑھتا رہتا تھا۔ اس طرح اُردو زبان سے شد بد بھی ہوئی۔ پھر طالب علمی دور میں ہی ابوالکلام آزاد، سید مودودی، سیر سید خان اور حالی وغیرہ کی کتب پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس وقت اردو اتنی خاص نہیں آتی تھی لیکن یہ کتب پڑھنے سے دل میں اشتیاق پیدا ہوا کہ میں بھی ان کی طرح مصنف بنوں گا۔ پھر الحمد للہ میری 22 سال کی عمر تھی جب میں نے خلافت ملکیت کے بارے میں لکھا تھا۔

بہر کیف، مدرسے کے بڑے استاد مولانا حاکم علیؒ تھے جو جامع المعقولات والمعقولات تھے اور اسباق کی تفہیم میں انہیں خاص ملکہ حاصل تھا۔ نہایت کامیاب، محنتی اور دل لگا کر پڑھانے والے استاد تھے۔ مجھے مولانا حاکم علیؒ سے چند ابتدائی اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اور تا حال میں ان کے تدریسی انداز کی چاشنی محسوس کرتا ہوں۔ ابھی دوسرا یا تیسرا سال ہی تھا کہ انتظامیہ نے ایک نیا استاد رکھ لیا۔ یہ ایک بزرگ اور نیک آدمی تھے لیکن تدریسی تجربہ نہیں تھا اور صرف ونحو کے قواعد بھی ان کی لوح حافظہ سے تقریباً نکل چکے تھے۔ ظاہر بات ہے جو استاد صرف ونحو میں کم زور ہو وہ کامیاب مدرس نہیں ہو سکتا اور حصول علم کے جذبے سے سرشار طلبہ ایسے استاد سے مطمئن نہیں ہو سکتے۔ سوطلبہ نے انتظامیہ تک اپنے جذبات پہنچائے لیکن انتظامیہ نے ان استاد کو بدلنے سے معذرت کر لی۔ نتیجتاً ہم طلبہ نے اس مدرسے سے معذرت کر لی۔

ہم طلبہ نے جامع العلوم سعودیہ چھوڑا تو حصول تعلیم کے لیے پنجاب جانے کا ارادہ بنا۔ دوسرے طلبہ کے برعکس یہ فیصلہ میرے لیے خاصا مشکل ثابت ہوا۔ ایک تو اس لیے کہ پنجاب میرے لیے ایک بالکل نیا علاقہ تھا جب کہ میری مستقل بود و باش کراچی کی تھی۔ دوسرا یہ کہ میری عمر 13، 14 سال تھی اور اس عمر میں والدین کے لیے بچے کو کسی دور دراز علاقے میں بھیجنا مشکل ہوتا ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مشکل مرحلہ بھی سر ہو گیا۔ والد مرحوم فرمانے لگے: ”مجھے تمہارا پنجاب جانا اچھا تو نہیں لگتا لیکن تمہیں روکنا بھی مجھ پسند نہیں ہے، تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ، ہماری طرف سے رکاوٹ نہیں ہوگی۔“ یعنی فیصلہ اب میرے ہاتھ میں تھا۔ مولانا حاکم علیؒ کو علم ہوا تو انہوں نے روکنے کی بہت کوشش کی اور یہاں تک کہا کہ میں خود تمہیں پڑھاؤں گا۔

سوال اللہ کی مشیت یہی تھی کہ محدثین اور اکابر علماء کی سنت کے مطابق مجھے زیادہ نہیں تو ایک آدھ علمی سفر سے گزرنا تھا کہ ایسے اسفار کے فوائد و برکات مسلمہ ہیں۔ بہر حال میں نے کراچی سے لاہور کا رخ کیا اور وہاں ”دارالعلوم تقویۃ الاسلام“ میں داخلہ لے لیا۔ مولانا داؤد غزنویؒ یہاں کے مہتمم تھے۔ مولانا حافظ محمد باحق الحسینیؒ شیخ الحدیث تھے جو نہایت محنتی اور وقت کے پابند تھے۔ مولانا حاکم علیؒ کے بعد میں نے زیادہ فیض ان ہی سے پایا۔ دیگر اساتذہ میں مولانا عبدالرشید گوہڑیؒ اور مولانا عبدالرشید مجاہد آبادیؒ شامل تھے۔

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانیؒ سے باقاعدہ پڑھنے کا اعزاز حاصل نہیں ہو سکا۔ دوسرے کوشش کی کہ ان سے سنن نسائی پڑھی جائے۔ لیکن ہمارے مدرسہ کے منتظمین کے ساتھ شیخ بھوجپانی کے تعلقات زیادہ خوش گوار نہ تھے۔ مولانا داؤد غزنویؒ نے بھی اجازت نہیں دی، پھر ان کی وفات کے بعد مولانا عبدالرشید گوہڑیؒ نے بھی اجازت نہیں دی۔ اسی طرح علامہ احسان الہی ظہیرؒ بڑا زور لگاتے رہے کہ بخاری حافظ محمد گوندلویؒ کے پاس جا کر پڑھو۔ بس ہمت نہیں ہو سکی۔ یہیں تقویۃ الاسلام میں شیخ الحدیث حافظ اسحاق الحسینیؒ کی پڑھی۔

تقویۃ الاسلام سے فراغت کے بعد ایک دیوبندی مدرسہ جامعہ مدنیہ جو پہلے اناکلی کے ابتدائے میں مسجد میں تھا اور اس کا کچھ حصہ سامنے مسلم مسجد لال والی میں تھا، یہ دونوں مساجد تب دیوبندیوں کے پاس تھیں، کچھ عرصہ یہاں پڑھتا رہا۔ بعد میں یہ مدرسہ کسی اور جگہ منتقل ہو گیا،

میں وہاں بھی جاتا رہا۔

سوال: ہر شخص کی زمانہ طالب علمی کی کچھ شرائط یا واقعات ہوتے ہیں جو زندگی بھر یاد رہتے ہیں۔ آپ کا بھی کوئی ایسا واقعہ ہے؟

جواب: زمانہ طالب علمی کی شرائط تو کوئی یاد نہیں ہیں۔ البتہ جن دنوں فاطمہ جناح اور صدر ایوب کا صدارتی مقابلہ تھا۔ تب موچی درازہ پر مولانا مودودی صاحب کی تقریر تھی۔ ہمیں شیخ الحدیث حافظ الحق حسینیؒ کے مزاج کا پتا تھا کہ انہوں نے اجازت نہیں دینی۔ ہم چار پانچ طالب علم بغیر اجازت لیے ہی تقریر سننے چلے گئے۔

جب ہم واپس آئے تو ان کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے اساتذہ نے سفارش کی کہ یہ ذہین طالب علم ہیں ہمیں ان سے کوئی شکایت نہیں ہے لہذا آپ ان کے ساتھ نرم رویہ اختیار کریں۔ تو حافظ صاحب نے فرمایا چلو ٹھیک ہے میں باقی کچھ سزا نہیں دیتا بس ایک ہفتہ کے لیے ان کا کھانا بند کر دیتا ہوں۔ پھر ایسے ہی ہوا ایک ہفتے کے لیے کھانا بند ہوا۔

وہاں مولانا مودودی نے فاطمہ جناح اور جنرل ایوب کے درمیان موازنہ کرنے کے لیے بڑا دل چسپ جملہ کہا کہ ”ایک طرف ایسا مرد ہے جس میں سوائے مرد ہونے کے کوئی خوبی نہیں اور دوسری طرف ایسی عورت ہے جس میں سوائے عورت ہونے کے کوئی خرابی نہیں۔“

سوال: تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے کہاں کہاں مستقل خطابت یا تدریس کی خدمات انجام دیں؟

جواب: دوران طالب علمی ہی مجھے دھرم پورہ مسجد کی طرف سے آفر ہوئی۔ مگر میں نے انکار کر دیا۔ کیوں کہ یہ مسجد بہت بدنام تھی، یہاں کوئی مستقل نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ ہر کوئی چھ ماہ یا ایک سال بعد بدیل ہو جاتا تھا۔ اسی شہرت کی وجہ سے میں نے بھی انکار کر دیا۔ اُن دنوں میں دیوبندی مدرسہ میں پڑھ رہا تھا، کھانا باہر سے کھاتا تھا اور رات کو تقویۃ الاسلام میں سو جاتا تھا۔ تو مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانیؒ کہنے لگے تو بازار سے کھانا کھاتا ہے، تیرے لیے مسائل ہیں۔ تیرا جتنا عرصہ بھی دھرم پورہ کی مسجد میں گزرے گا گزر جائے گا۔ میں اُن کی ترغیب سے وہاں چلا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجھے 55 سال ہو گئے ہیں۔ پہلے میری وہیں رہائش تھی، اب اپنے مکان میں منتقل ہو گیا ہوں۔

تدریس کے متعلق مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجپانیؒ کی رائے تھی کہ اس سے انسان کے اندر چنگی آتی ہے۔ وہ مجھے کہتے تھے کہ تدریس کا کام بھی کرو۔ اُس زمانہ میں مولانا عبد الرشید مجاہد آبادی کا مدرسہ رام گڑھ میں تھا، جس کو آج کل مجاہد آباد کہا جاتا ہے۔ اُن سے میں نے درخواست کی تھی کہ آپ مجھے تدریس کا موقع دیں۔ لیکن اللہ بہتر جانتا ہے کہ اُن کے ذہن میں کیا تھا انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد کسی جگہ تدریس کا موقع نہیں مل سکا اور نہ ہی کوشش کی۔

سوال: ازواج و اولاد کے حلقہ آگاہ فرمائیں۔

جواب: میری شادی 1976ء میں ہوئی۔ تب میری عمر 30 سال تھی۔ اور بیوی الحمد للہ ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی ایسی عطا کی ہے جو ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ اس لیے کبھی دوسری شادی کا سوچا بھی نہیں۔ ایک ہی بیوی سے بڑی خوش گوار زندگی گزری ہے اور ابھی تک گزر رہی ہے۔ بس دعا فرمائیں کہ بقیہ زندگی اسی طرح بھر پور انداز سے گزر جائے جس طرح اب تک گزری ہے۔

الحمد للہ میرے سات بچے ہیں۔ چار بیٹیاں اور تین بیٹے حافظ عثمان یوسف، حمران یوسف اور صفوان یوسف ہیں۔ چاروں بیٹیاں شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں میں خوش و خرم ہیں۔ الحمد للہ۔ حافظ عثمان یوسف اور حمران یوسف ساتھ ہی بالائی منزل میں رہتے ہیں، وہ بھی شادی شدہ ہیں۔ جب کہ بیٹا صفوان یوسف ابھی زیر تعلیم ہے اور اس کی شادی ابھی نہیں ہوئی۔

سوال: روحانی طور پر کن شخصیات سے بہت متاثر ہیں؟ تحریر اور تقریر میں کن شخصیات کو پسند کرتے ہیں؟

جواب: ہمارے علماء اہل الحدیث میں روحانیت کا وہ سلسلہ نہیں ہے جو عام طور پر دوسرے حلقوں میں پایا جاتا ہے۔ اسی لیے ہمارے ہاں اس انداز کی روحانی شخصیات بھی نہیں جو دوسرے حلقوں میں متعارف ہیں۔ تاہم اہل الحدیث علماء کتاب و سنت کے دائرے میں رہتے ہوئے وظائف کا اہتمام کرتے ہیں۔ اس لیے معروف روحانی تصورات کی بات کی جائے تو کسی بھی شخصیت سے ایسا کوئی تعلق نہیں رہا کہ جسے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بل کہ شریعت کے مقابلے میں ایک مکمل دین پر لیت ہے۔ البتہ بعض علماء تقویٰ و صالحیت کی بنا پر معروف رہے ہیں جس طرح حافظ یحییٰ عزیز میر محمدی رحمہ اللہ وغیرہ۔ ہمارے ہاں روحانیت کا یہی مفہوم ہے۔

تحریر میں تو بیشتر اچھے لکھنے والوں کو پڑھ رکھا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، سید سلمان ندوی، شبلی نعمانی، نعیم صدیقی، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا مودودی، ماہر القادری اور شورش کاشمیری رحمہ اللہ وغیرہ سرفہرست ہیں۔ ان تمام حضرات کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے۔ طالب علمی کے دور سے لے کر آج تک استفادے کا سلسلہ جاری ہے اور میں دیگر علماء سے بھی گزارش کروں گا کہ وہ اچھے لکھنے والے لوگوں کی تحریروں کو پابندی کے ساتھ پڑھا کریں۔ اس سے انشاء اور تحریر کا سلیقہ بھی پیدا ہوگا اور اچھی نثر نگاری بھی آئے گی۔

تقریر میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی تعریف بہت سنی ہے لیکن ان کو سننے کا موقع نہیں ملا۔ البتہ جن اچھے خطباء کو سنا ہے ان میں کراچی کے ایک خطیب مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تھے۔ پھر ہماری جماعت اہل الحدیث میں حافظ اسماعیل روپڑی رحمہ اللہ بڑے زبردست اور جادو بیاں خطیب تھے۔ شورش کاشمیری اپنے انداز کا بڑا منفرد خطیب تھا۔ اسی طرح علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ کو بھی اللہ نے خطابت کا اچھا ملکہ دے رکھا تھا۔

سوال: اچھا شعری وادبی ذوق ہونا عالم کی شخصیت پر کیا اثرات ڈالتا ہے؟ علماء میں یہ رجحان مفقود ہوجانے کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: شعری اور ادبی ذوق ہونا اصحاب علم کے لیے بہت اچھا ہے۔ اس میں کمی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے علماء ادبی چیزوں کا مطالعہ نہیں کرتے، اشعار وغیرہ نہیں پڑھتے۔ ہمارے علماء کو یہ کمی دور کرنی چاہیے۔ ہر صاحب علم کے اندر یہ ذوق ہونا چاہیے۔ اس کے بڑے فوائد ہیں۔ بول چال میں بھی تقریر میں بھی اور تحریر میں بھی۔

علاوہ ازیں ٹی وی اور نیٹ وغیرہ نے لوگوں کی ترجیحات بدل دی ہیں۔ ان کے پاس وقت ہو یا نہ ہو وہ ٹی وی پر دیگر کاموں کو دیکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن افسوس بل کہ ماتم والی بات یہ ہے کہ دینی جرائد و رسائل اور دینی علمی کتب کا مطالعہ ان کے معمولات ہی سے خارج ہے۔ حالانکہ یہ ان کی ایک علمی ضرورت ہے۔ مطالعے سے ذہنی افق بھی وسیع ہوتا ہے، معلومات میں اضافہ ہوتا ہے، خطبہ جمعہ کے لیے نئے موضوعات اور ان سے متعلقہ تیار مواد مل جاتا ہے اور بے شمار فوائد ہیں۔ کاش! نوجوان علماء مطالعے کی اہمیت کو سمجھیں اور اس کو اپنا معمول بنائیں۔

سوال: تفسیر احسن البیان جیسی جامع اور مفید تفسیر لکھنے کا کیا سبب بنا؟ سعودی حکومت کا چھاپنا اور پھر سنا کہ بین بھی کیا اس سبب پر روشنی ڈالیں۔

جواب: اصل بات یہ ہے کہ احسن البیان تفسیر لکھنے کے انداز میں نہیں لکھی گئی بل کہ حاشیہ کے انداز میں لکھی گئی تھی اور اس کو مختصر سے مختصر رکھنے کا کہا گیا تھا۔ اس تفسیر کے لکھنے کا سبب یہ تھا کہ سعودی حکومت نے اس سے پہلے مولانا شبلی احمد عثمانی کی تفسیر شائع کروائی تھی۔ چون کہ اس تفسیر میں بہت فکری گم راہیاں تھیں اور جب کمیٹی کے علم میں یہ چیزیں لائی گئیں کہ اس میں بہت سے فکری انحرافات ہیں تو انہوں نے اس کی اشاعت کو بند

کردیا۔ جب تفسیر عثمانی بند ہوگئی تو عبدالملک مجاہد صاحب کے ذہن میں یہ آیا کہ اس کی جگہ ہم کوئی تفسیر ان کو دیں۔ عبدالملک مجاہد صاحب کی کوشش تھی کہ میں کوئی ایسا حاشیہ لکھواؤں جو وہاں شائع ہو سکے۔ اس کے لیے پہلے انہوں نے ادیس فاروقی صاحب کا انتخاب کیا اور ان کو اس کام لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ انہوں نے بارہ پاروں تک حاشیہ لکھا اور نظر ثانی کے لیے مجھے دیا گیا۔ میں نے اس کو دیکھ کر بتایا کہ یہ تو زیادہ مفید نہیں ہے اور میں نظر ثانی کر کے اس میں جان نہیں ڈال سکتا۔ پھر عبدالملک مجاہد صاحب کہنے لگے کہ آپ ہی ہمیں لکھ کر دے دیں۔ اس طرح یہ حاشیہ لکھنے کا آغاز ہوا اور ان کی خواہش کے مطابق نہایت ہی مختصر وقت میں مرتب کیا گیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اتنا حسن قبول عطا فرمایا۔ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔

باقی اس کی اشاعت جو سعودی گورنمنٹ کی طرف سے ہوئی ہے، اس میں مولانا عبدالملک مجاہد صاحب کی خاص کوششوں کا دخل ہے۔ ان کی کوششوں کی وجہ سے یہ وہاں شائع ہوئی۔ سعودی حکومت کا طریقہ کار یہ ہے کہ انہوں نے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے جو اشاعت سے قبل ہر کتاب کا کئی پہلوؤں سے جائزہ لیتی ہے۔ تو اس کمیٹی نے اس تفسیر کا مکمل جائزہ لیا اور پھر اس کی اشاعت کی اجازت دی اور الحمد للہ اس کی اشاعت ہوئی۔

اور اس کو بین کرنے کی جو باتیں ہیں محض افواہیں ہیں جو دیوبندی حضرات اڑاتے رہتے ہیں، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور افواہ اڑانے کی وجہ یہ ہے کہ سعودی حکومت نے تفسیر عثمانی کی جگہ تفسیر احسن البیان کو شائع کیا۔ ظاہری بات ہے دیوبندیوں کو اس کی بہت تکلیف ہے اور ان کی بڑی خواہش اور کوشش ہے کہ اس کو بند کر دیا جائے اور اس کے لیے انہوں نے بڑے بڑے اعتراضات لکھ کر بھیجے۔

الحمد للہ! اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی اشاعت تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اس میں بین والی بالکل غلط ہے۔ حرمین شریفین میں بھی موجود ہے البتہ حرم کی میں اتنی زیادہ نظر نہیں آتی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ لوگ وہاں سے اٹھ کر زیادہ لے جاتے ہیں۔ لیکن مسجد نبویؐ میں یہ کثیر تعداد میں جگہ موجود ہے۔ ہاں ایک بات یہ ہے کہ سعودی حکومت پہلے یہ بہت زیادہ تقسیم کرتی تھی، اب ان کی کچھ معاشی صورت حال گردگوں ہے۔ اس وجہ سے اس کی تقسیم میں بھی کمی آئی ہے لیکن یہ ہر حال اس کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ الحمد للہ

سوال: تفسیر کے علاوہ اپنی علمی کاوش کو مفید ترین سمجھتے ہیں؟ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کسی کتاب کا مسودہ ضائع ہو گیا ہو؟

جواب: الحمد للہ مسودہ تو کبھی ضائع نہیں ہوا۔ اصل میں مسودہ ضائع اس وجہ سے بھی نہیں ہوتا کہ میرا مسودہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی میں نے کوئی مسودہ دو بارہ نہیں لکھا، اگر مجھے دو بارہ لکھنا پڑ جائے تو لکھا بھی نہیں جاتا۔ میں نے جو بھی کتاب لکھی ہے وہ پہلا مسودہ ہی ہے۔ اس لیے الحمد للہ مسودہ کبھی ضائع نہیں ہوا۔

اور جہاں تک بات ہے مفید ترین کتاب کی تو میرے نزدیک میری جتنی بھی کتابیں ہیں وہ سب ہی مفید ترین کتابیں ہیں۔ لیکن چوں کہ میں خود لکھنے والا ہوں، اس لیے ہو سکتا ہے میرا کہنا لوگوں کے نزدیک قابل قبول نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ بالخصوص ہمارے علماء و مطالعہ کے عادی ہی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میری ہر کتاب ہی مفید ہے اور حالات حاضرہ کے مطابق ہے۔ جن جن چیزوں پر ضرورت تھی ان ہی پر میں نے قلم اٹھایا ہے۔ مثال کے طور پر طلاق ثلاثہ کا مسئلہ ہے، مفروضہ لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ ہے، خواتین کے امتیازی مسائل، اسی طرح مرد اور عورت کی نماز کے فرق کا مسئلہ، اہل الحدیث اور تقلید کے مسائل وغیرہ۔ تو میں سمجھتا ہوں میری کتابوں کے جتنے بھی موضوعات ہیں وہ نہایت ہی اہمیت کے حامل ہیں اور میں تمام علمائے اہل الحدیث سے کہوں گا کہ وہ ان کتابوں کا ضرور مطالعہ کریں۔ یہ تمام کتابیں ہر اہل

الحدیث عالم کو ضرور پڑھنی چاہیے۔

سوال: الاعتصام کی ادارت کا زمانہ کیسا تھا؟ اس کے بارے میں کچھ بتائیں آپ کی علاحدگی کی وجہ کیا تھی؟

جواب: یہ واقعہ یوں ہے کہ ہفت روزہ الاعتصام کے مدیر علامہ احسان الہی ظہیر ؑ تھے جب کہ اس کا ڈیپلکریٹیشن مولانا عطاء اللہ حنیف ؑ کے نام پر تھا اور شارے کے حسن و قبح کے قانونی ذمہ دار وہی تھے۔ ایک دفعہ حضرت الشیخ عطاء اللہ حنیف ؑ جو جانی اور علامہ صاحب ؑ کے درمیان الاعتصام کے علمی معیار کے برقرار رکھنے میں اختلاف ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسالے میں کوئی قابل اعتراض مضمون شائع ہوا تھا جس کی وجہ سے گمرانی کا مسئلہ بنا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف ؑ نے علامہ صاحب کو پابند بنانا چاہا کہ وہ اشاعت سے پہلے ایک نظر انہیں دکھالیا کریں تاکہ آئندہ ایسی صورت حال سے بچا جاسکے۔ لیکن علامہ صاحب نے اس گمرانی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یوں معاملہ خاصا جڑ گیا۔ یہ ہر حال اس اختلاف کے نتیجے میں الاعتصام کو مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے ترجمان کی حیثیت سے شائع کرنے سے روک دیا گیا۔ سواس کی جملہ ذمہ داری حضرت الشیخ عطاء اللہ حنیف ؑ کے سر آ پڑی، قانونی ذمہ دار تو آپ روزِ اوّل سے ہی تھے۔

اس موقع پر میں نے اپنا تعاون حضرت الشیخ عطاء اللہ حنیف ؑ کو پیش کیا۔ اس وقت تک لکھنے لکھانے کا کچھ نا کچھ تجربہ ہو چکا تھا جس کا ایک نمونہ خلافت و جمہوریت کی تاریخی و شرعی حیثیت کی صورت میں سامنے آچکا تھا البتہ صحافت کا باقاعدہ تجربہ نہ تھا۔ یہ ہر حال میں معاون کے طور پر الاعتصام سے وابستہ ہوا اور چند سال کے بعد اس کی ادارت مجھے سونپ دی گئی۔ اس وقت یہ ہماری جماعت کا سب سے معیاری پرچہ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کے مضامین میں اعلیٰ معیار کے ساتھ ساتھ مسلکی پہلو کو بھی مد نظر رکھا جاتا تھا جس کی وجہ سے پوری جماعت میں الاعتصام کا خاص مقام تھا۔ اور اب بھی کسی حد تک یہ مقام اسے حاصل ہے۔

میں نے مولانا عطاء اللہ حنیف ؑ کی گمرانی میں کام جاری رکھا۔ وہ بھی بعض دفعہ معاملات دیکھ لیا کرتے تھے۔ خاص طور پر میری تحریریں وہ غور سے دیکھتے تھے۔ اور جو کچھ وہ لکھتے، مجھے مجبور کرتے تھے کہ اس پر نظر ثانی کروں۔ حالانکہ میں کہتا تھا کہ میری حیثیت ہی کیا ہے لیکن ان کے اصرار کے آگے گھٹنے ٹیکنے پڑتے تھے۔ یہ 15، 16 سال پر محیط دور انتہائی خوش گوار انداز سے گزرا۔

حضرت الشیخ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے کے ہاتھ میں نظام آ گیا تو ان کے ساتھ نباہ ہونا مشکل ہو گیا۔ اور بھی بعض وجوہات تھیں جن کی تفصیلات بیان کرنا مناسب نہیں ہیں۔ یہ ہر حال اللہ تعالیٰ کو الگ ہونا منظور تھا تو الگ ہو گئے۔ میری بحیثیت مجموعی الاعتصام سے وابستگی کی مدت کم و بیش 23 سال بنتی ہے۔

میرے ساتھ علامہ احسان الہی ظہیر ؑ کا بھی خصوصی اٹھنا بیٹھنا تھا۔ اور وہ اس بات پر اصرار کرتے تھے کہ میں الاعتصام چھوڑ کر ان کا ترجمان الحدیث سنبھال لوں۔ لیکن ان کا مزاج میرے موافق نہ تھا، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کے مزاج اور طبیعت کی وجہ سے میں ان کی یہ آفر قبول نہیں کرتا تھا۔ ایک روز علامہ صاحب کہنے لگے کہ اگر مجھ پر اعتبار نہیں ہے تو میں 5 سال کی خواہ بینک میں رکھوا دیتا ہوں۔ وہاں سے وصول کرتے رہنا۔ پھر انہوں نے مولانا عطاء اللہ حنیف ؑ جو جانی ؑ تک کو آمادہ کیا اور وہ کسی حد تک آمادہ بھی ہو گئے تھے۔ لیکن میں نے ان کے مزاج کی وجہ سے آمادگی ظاہر نہیں کی تھی۔

سوال: مولانا عطاء اللہ حنیف ؑ سے وابستہ یادوں سے ہمیں مستفید فرمائیں۔

جواب: میری وابستگی ان کے ساتھ اس طرح کی تھی کہ میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں پڑھتا رہا ہوں۔ ان کا گھر بالکل مدرسے کے

سامنے تھا اور ان کی کتابوں کی دکان جو ان کے بیٹے چلاتے تھے، وہ بھی اس مدرسہ کے ساتھ والی دکانوں میں سے ایک تھی۔ انہی میں مکتبۃ السلفیہ بھی تھا اور مولانا وہاں پر بھی بیٹھتے تھے۔ تو گویا ہمہ وقت مولانا سے ملاقات رہتی تھی۔ نمازیں بھی وہ ہمارے مدرسہ کے ہال میں پڑھتے تھے۔ اس طرح ان کے ساتھ گہری وابستگی رہی ہے۔ پھر فراغت کے بعد الاعتصام سے وابستگی ہوئی تو باقاعدہ ان کے زیر تربیت رہ کر کم و بیش 23 سال تک کام کرنے کا موقع ملا۔ الحمد للہ

رہی مولانا مرحوم کی یادیں، تو یہ تلخ و شیریں یادوں کی ایک طویل داستان ہے۔ الاعتصام کی مولانا عطاء اللہ حنیفؒ پر خصوصی اشاعت میں میرے دو مضامین موجود ہیں، انہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ باقی یادیں تو ساری عمر رہتی ہیں۔ مختصراً آپ کے فائدے کی چند بتا دیتا ہوں:

مولانا عطاء اللہ کو مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ سلف صالحین یا مخصوص امام ابن تیمیہ اور امام ابن قیمؒ کی کتابوں کے مطالعہ کا بڑا شوق تھا اور ان کو نئے سرے سے شائع کرنے کا جذبہ بھی بے پایاں و بے انتہا تھا۔ لیکن اس زمانے میں وسائل کی بہت کمی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ میں سمجھتا ہوں ان ساجدہ ہر اہل الحمد یث عالم کے اندر ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ تھی کہ وہ مطالعہ کے بارے میں یہ ترغیب دیتے تھے کہ ہر کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا کریں۔ وہ خود بھی مطالعہ کیا کرتے تھے اور ضروری ضروری چیزیں حاشیے میں نوٹ کر لیا کرتے تھے۔ بعد میں اس سے استفادہ کرنا بڑا آسان ہوتا تھا۔ یہ بھی ان کی ایک عادت تھی جو بہت مفید تھی۔ ان کی جتنی بھی زیر مطالعہ کتابیں ہیں ان میں نوٹس لکھے ہوئے ہیں جن سے اب بھی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ گویا مطالعہ ان کی زندگی کا انتہائی اہم پہلو تھا۔

اسی طرح پاک و ہند سے نکلنے والے رسائل کا باقاعدگی سے مطالعہ کیا کرتے تھے اور ان کی فائلیں بنا کر رکھتے تھے۔ ”برہان“ اور ”معارف“، دو پرچے ہندوستان سے نکلتے تھے اور اس وقت ان کے معیار کا کوئی پرچہ نہیں تھا۔ دونوں پرچوں کو وہ بڑے شوق سے پڑھتے تھے اور ان کی فائلیں بھی محفوظ کر رکھی تھیں۔ انہی دور سالوں کی طرز پر انہوں نے ماہ نامہ ”رحیق“ جاری کیا تھا جو تین سال کی مدت کے بعد لوگوں کے عدم تعاون کی بدولت بند ہو گیا۔ رحیق کا علمی و تحقیقی معیار بھی برہان اور معارف کے پائے کا تھا۔ اس کو لوگ آج تک بھی یاد رکھتے ہیں۔

سوال: بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے؟ یہ سب فطری ہے یا خود پیدا کردہ ہے؟ آپ کے نزدیک اس کا کوئی مؤثر حل موجود ہے؟

جواب: اختلافات فطری ہی ہوتے ہیں، انہیں خود پیدا کردہ کہنا تو درست نہیں۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر یہ ہوتی ہے کہ سب اہل علم اپنی اپنی تحقیق کرتے ہیں اور نتائج تحقیق ایک دوسرے سے اختلاف پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ اختلافات فطری ہی ہیں ان کو غیر فطری یا پیدا کردہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ اس کا حل کیا ہے؟

اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ علماء کی ایسی کمیٹی بنے جو ان تمام مسائل پر اور اس کے ساتھ ساتھ مسائل حاضرہ پر تحقیقی انداز سے گفت گو کرے۔ ان مسائل پر مقالے لکھے جائیں، ان کو وقت دیا جائے، مقالے مرتب کروائے جائیں اور ان پر بحث و مباحثہ ہو تو اس طرح اختلافات کچھ کم کیے جاسکتے ہیں۔ پھر بھی مکمل طور پر ختم نہیں کیے جاسکتے لیکن بہت حد تک ان کو مؤثر انداز سے حل کیا جاسکتا ہے۔

سوال: طلبہ کو سید مودودی، سید قطب اور ان جیسے دیگر مفکرین کا لٹریچر کس حد تک پڑھنا چاہیے؟

جواب: ان حضرات کا لٹریچر موجودہ مسائل کے حل کے لیے یقیناً مفید ہے لیکن اس کے بعض خطرناک اور زہریلے اثرات بہ ہر حال ہیں۔ اس لیے جو نو آموز اور نو خیز طلبہ ہیں، ان کے لیے پڑھنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس کا حل اصل میں یہ ہے کہ پہلے ہمارے نو جوان علماء کو اپنے جید علماء کی تحریروں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ ان کے اندر صحیح معنوں میں اپنی مسلکی عصبیت پیدا ہو جائے اور وہ صحیح نقطہ نظر سے آشنا ہو جائیں۔ بل کہ جید علماء کے مقالات کو اس حد تک پڑھیں کہ ان کے اندر ایسی حس پیدا ہو جائے کہ وہ کسی کے انکار کو پڑھتے ہوئے اس میں موجود انحراف کو فوراً محسوس کر لیں۔ جب اس قسم کی صلاحیت ان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ ان حضرات کا لٹریچر پڑھیں، ان شاء اللہ امید ہے کہ وہ گم راہی کی بجائے افادیت کا باعث بنے گا۔

عام شخص کے لیے ان حضرات کا لٹریچر پڑھنا مفید کم اور نقصان دہ زیادہ ہے۔ پڑھنے والے کے اندر فکری انحرافات پیدا ہو سکتے ہیں۔ صرف وہی طلبہ ان کتب سے کما حقہ استفادہ کر سکتے ہیں جو اپنے علماء کی تحریروں پڑھ کر حق و باطل کے امتیاز کی صلاحیت پیدا کر چکے ہوں۔

سوال: علماء اور طلبہ میں جس مزاج اور خوش طبعی کا پہلو تقریباً ختم ہو چکا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مزاج اور خوش طبعی کا جو مسئلہ ہے یہ اصل میں زیادہ تر فکری چیز ہے۔ مزاج میں مزاج و ظرافت اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عنایت کرتا ہے۔ تو مزاج اور طبیبوں کا فرق بنیادی چیز ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ حد تک لطافت و ظرافت کا مزاج مطالعہ کی وجہ سے بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے علماء کا ذوق ادبی نگارشات پڑھنے کی طرف بہت ہی کم ہے۔ جب کہ یہ چیزیں اپنے اندر لطافت کا بہت سامان لیے ہوئے ہوتی ہیں۔ جب علماء انہیں پڑھتے نہیں ہیں تو وہ ظریفانہ حس سے بھی محروم ہی رہ جاتے ہیں۔

سوال: احمدیوں کی مختلف تنظیموں سے تعامل کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟

جواب: ہماری جماعت کی کئی تنظیمیں ہیں اور سب ہی مسلک اہل الحدیث کی دعوت و بقی ہیں۔ لہذا کسی ایک تنظیم سے اس طرح وابستہ ہو جانا کہ دوسری تنظیموں سے رابطہ اور تعلق ختم کر دیا جائے، قطعاً غلط اور نامناسب رویہ ہے جو بد قسمتی سے مختلف تنظیموں سے وابستہ لوگوں میں پایا جاتا ہے۔

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بیک وقت ان سب سے الگ بھی رہیں اور ان سب سے وابستہ بھی رہیں۔ یعنی کسی تنظیم سے لڑائی جھگڑا بھی نہ ہو اور ہر تنظیم سے اس حد تک تعلق ہو کہ جو بھی بلائے اس کے اجتماعات میں، میٹنگز میں اور ان کی مشاورت میں شریک ہو جائے۔ کسی سے اس انداز کا اختلاف اور ناراضگی نہ رکھی جائے کہ میں نے فلاں تنظیم کے پاس نہیں جانا اور فلاں جماعت سے تعلق نہیں رکھنا بل کہ سب کے ساتھ تعلق رکھے اور کسی سے بھی عناد نہ رکھے۔

الغرض یہی سب سے بہتر طریقہ ہے کہ تنظیمی وابستگی کسی سے نہ ہو اور عمومی تعلق سب سے ہو۔

سوال: پاکستان میں اہل الحدیث کا مستقبل کیسا دیکھتے ہیں؟

جواب: پاکستان میں اہل الحدیث کا مستقبل خوش آئند ہے ان شاء اللہ۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جتنی کوششیں ہو رہی ہیں ان میں مزید وسعت اور شدت پیدا کی جائے اور آپس کے جو تنظیمی اختلافات ہیں، ان کو حل کرنے پر زور لگایا جائے تو پھر اہل الحدیث کا مستقبل پاکستان میں

روشن ہے اور مزید روشن ہو سکتا ہے۔ ان شاء اللہ

سوال: بعض حضرات آپ کو ناصیبت سے جوڑتے ہیں، اس بارے میں کیا کہیں گے؟ ناصیبت اور رافضیت میں سے کون سا فتنہ زیادہ خطرناک ہے؟

جواب: جو حضرات مجھے ناصیبت کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو یزید کی اس حد تک مخالفت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ اور حضرت مغیرہ بن شعبہ اور دیگر بہت سے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اہانت کر گزرتے ہیں۔ میرا موقف یہ ہے ہمارا اصل مقصد صحابہ کا دفاع ہے جب کہ یزید صحابی نہیں۔ لیکن یزید کا دفاع اس لیے ضروری ہے کہ اس کی آڑ میں قصر صحابیت پر لقب زنی کی جاتی ہے۔ لہذا یزید پر لعنت ملامت دراصل قصر صحابیت تک پہنچنے کا چور دروازہ ہے۔

دوم یہ کہ تاریخی طور پر بھی جو کچھ یزید کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے اس کا کوئی صحیح ثبوت نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو خلیفۃ المسلمین اور امیر المؤمنین تسلیم کیا تھا بلکہ عالم اسلام میں اس کی خلافت تسلیم کی جا چکی تھی۔ تو اس لحاظ سے وہ بالکل شرعی امیر تھا اور اس کا دفاع کرنا صحابہ کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔

پھر ہماری بد قسمتی یہ ہے کہ جو گروہ ہمیں ناصیبت سے منسوب کرتا ہے وہ اس اصطلاح سے واقف ہی نہیں۔ ناصیبت کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی، حضرت حسین رضی اللہ عنہما اور اہل بیت کے خلاف باتیں کی جائیں۔ جب کہ ہم تو الحمد للہ ان کا بھی دفاع کرتے ہیں۔ کیوں کہ ہم تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع کے مشن پر ہیں اور حضرت علی و حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی جلیل القدر صحابہ ہیں، ان کی توہین ہم کس طرح کر سکتے ہیں! سو یہ حضرات ناصیبت کی طرف منسوب کر کے جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ناصیبت اور رافضیت میں زیادہ خطرناک کون سا فتنہ ہے تو ظاہر بات ہے اصل فتنہ تو رافضیت کا ہے۔ اور جو لوگ یزید پر لعن طعن کرتے ہیں تو یہ بھی اصل میں رافضیت کا راستہ ہم وار کرتے ہیں اور درپردہ وہ رافضی ہی کی کھولت کاری کا کردار ادا کرتے ہیں۔

سوال: انکار حدیث کا فتنہ جوانوں کے سامنے منہ کھولے کھڑا ہے، اس سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔ فتنہ انکار حدیث پر کون سی کتب تجویز کریں گے؟

جواب: انکار حدیث کا فتنہ آج کل بہت خطرناک صورت حال اور مختلف شکلیں اختیار کرتا جا رہا ہے اور اس کا جس انداز سے رد ہونا چاہیے، اس مؤثر انداز سے نہیں ہو پا رہا۔ تاہم نو جوانوں کو اس موضوع پر ہمارے علماء کی لکھی گئی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس موضوع پر سب سے بہترین کتابیں مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی ہیں مگر ان کو سمجھنا صرف باذوق لوگوں کا کام ہے۔ پھر حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ کے ”دوام حدیث“ کے نام سے دو جلدوں میں مقالات ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ کی کتاب ”عظمت حدیث“ اور حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ کی کتاب ”احادیث اور مودودیت“ بھی مفید ہیں۔ میری بھی اس موضوع پر دو کتابیں چھپ چکی ہیں، ایک ”عظمت حدیث“ اور دوسری ”فتنہ غامدیت“۔ اسی طرح ایک عربی کتاب کا ترجمہ ”حجیت سنت“ کے نام سے ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے شائع ہوا ہے۔ وہ بڑی مفصل، جامع اور عام فہم کتاب ہے۔ پھر ڈاکٹر مصطفی السباعی کی کتاب ”السنۃ و مکانہا فی التشریع الاسلامی“ کا بھی ترجمہ ہو چکا ہے، یہ کتاب بھی مفید ہے۔ اسی طرح الاعتصام کا حجیت حدیث نمبر شائع ہوا تھا جواب دوبارہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ اور بھی اس طرح کی تحاریر جو اس موضوع پر ہیں ان کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔

میری چند اور کتابیں بھی آرہی ہیں ان شاء اللہ۔ جن میں امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر تدریقرآن کا جائزہ ہے۔ حمید الدین فراہی کے افکار کا جائزہ ہے۔^[1] یہ سب منکرین حدیث کا گروہ ہے اور عوام الناس کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ جب کہ ان کے افکار کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو منکرین حدیث عام طور پر مشہور ہیں، یہ حضرات ان سے زیادہ خطرناک ہیں اور ان کے اندر ان سے زیادہ انکار حدیث کے جراثیم موجود ہیں۔ جاوید احمد غامدی اور عمار خان ناصر بھی اسی فکر کے پروردہ ہیں۔ میں نے اس پورے ٹولے کا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تفصیلی جائزہ لیا ہے، اب یہ مسودہ تقریباً مکمل ہو گیا ہے الحمد للہ۔ البتہ اس کی اشاعت آہستہ آہستہ ہوگی۔ امید ہے سال ڈیڑھ سال تک یہ ساری چیزیں منظر عام پر آجائیں گی۔ ان شاء اللہ

سوال: آپ ماشاء اللہ زندگی بھر علمی و فنی مشاغل میں مصروف رہے ہیں۔ گھریلو معاملات کتنا کا اثر انداز ہوتے تھے یا ہیں؟ گھر سے فکایت تو نہیں ہوتی تھی؟

جواب: ظاہری سی بات ہے کہ گھریلو معاملات میں تو ہر صورت حصہ لینا پڑتا ہے اور انہیں وقت دینا ہوتا ہے۔ میں نے بھی گھریلو معاملات میں ہر صورت حصہ لیا ہے اور اب بھی حصہ لیتا ہوں۔ یہ نہیں ہے کہ میں بالکل گوشہ نشین ہو کر سارے کام کرتا ہوں۔ لکھنے پڑھنے کا کام بھی الحمد للہ جاری رہتا ہے اور گھریلو معاملات بھی چلتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نیک صالحہ بیوی دی ہے۔ اس وجہ سے گھریلو معاملات خوش گوار انداز میں طے ہو جاتے ہیں۔ گھر کے کام کبھی بھی علمی اور فنی مشاغل میں رکاوٹ نہیں بنے۔ دونوں کام بیک وقت ساتھ ساتھ جاری رہے ہیں۔ اب کم زوری صحت اور اور عمر کے تقاضے کی وجہ سے نقاہت تو محسوس ہوتی ہے مگر الحمد للہ علمی اور تحریری کام جاری ہے۔ چھوٹی موٹی شکایات تو زندگی میں ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہیں لیکن کبھی تکلیف دہ تجربہ نہیں ہوا۔ الحمد للہ

سوال: موجودہ دور کے حوالے سے میں اور تمام طلبہ العلم کو کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب: مدرسے کے ہر طالب علم کے لیے یہی نصیحت ہے کہ طالب علمی کے زمانے کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس میں وہ علمی رسوخ حاصل کرنے کی کوشش کریں جو ان کے روشن مستقبل کی ضمانت ہو۔ علمی رسوخ اور اچھی صلاحیتوں کے حامل علماء لوگوں کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کے راج دلارے بن کر زندگی گزارتے ہیں۔

طلبہ اپنے اساتذہ سے اکتساب فیض کے ساتھ ساتھ ان کا پورا احترام بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ بے ادب محروم گشت از فضل رب! اپنی طالب علمی کی زندگی ہی میں حسن کردار اور تقویٰ شعاری کا نمونہ بن جائیں۔ امام کبیر رحمہ اللہ کی اپنے ہونہار شاگرد امام شافعی رحمہ اللہ کو کی گئی نصیحت سامنے رکھیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

”شکوت الی و کبیر سوء حفظی۔ فاوصانی الی ترک المعاصی، لان العلم نور من الہ، و نور اللہ لا یعطی لعاصی۔“

”کہ میں نے اپنے استاد کبیر سے حافظ کی کم زوری کا شکوہ کیا تو انہوں نے مجھے گناہ ترک کرنے کی نصیحت کی۔ اور کہا کہ دین کا علم تو اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور نافرمانی اور گناہ کرنے والے کو عطا نہیں کیا جاتا۔“

اس دور کی زندگی ہی آپ کی آنے والی تمام زندگی کا حقیقی آئینہ ہے۔

[1] یہ دونوں کتب المہینہ اسلامک ریسرچ سنٹر کراچی کی جانب سے چھپ چکی ہیں۔ (ادارہ)

دوسری بات یہ ہے کہ طالب علمی کے دور میں ہی اپنے ذوق و رجحان کا جائزہ لیں اور اپنی صلاحیتوں کو پہچانیں۔ اگر آپ کا رجحان تقریر و خطابت کی طرف زیادہ ہے تو اس کی طرف زیادہ توجہ دیں، تدریس کا ذوق ہے تو اس کو جلا بخشیں اور نصابی کتب پر خوب محنت کریں، انشاء و تحریر کا شوق ہے تو مشہور ادباء اور اچھا لکھنے والوں کی تحریریں پڑھیں تاکہ آپ کا یہ شوق ادبی ذوق میں ڈھل جائے اور تحریر و انشاء کے طریقے سے آپ آشنا ہو جائیں۔ الغرض آپ جو کچھ اپنے ذوق یا صلاحیتوں کے اعتبار سے بننا پسند کرتے ہیں اس کے لیے خصوصی محنت کریں۔ لیکن یہ بھی یاد رکھیں کہ لیکن یہ اضافی محنت تدریسی کتابوں کا حرج نہ کرے۔ تدریسی کتب کو محنت اور توجہ سے پڑھنا یا اڈلین ترجیح ہونی چاہیے کیوں کہ علمی رسوخ انہی کتابوں کو محنت سے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

زندگی کے میدان میں جب قدم رکھیں تو صبر و قناعت کو اختیار کریں اور حُبِ جاہ و مال سے بچ کر رہیں۔ ایک ہی جگہ جم کر دین کی خدمت کریں، اسی میں برکت ہے اور اسی میں عزت ہے۔

سبحانک اللہم وبحمدک نشہد أن لا إله إلا أنت نستغفرک ونتوب إلیک



اگر آپ چاہتے ہیں

کہ آپکی بہن بیٹی دینی تعلیم و تربیت حاصل کرتے ہوئے دنیا میں
ایک باکردار عورت اور آخرت میں آپکا صدقہ جاریہ بنے تو انہیں

دو سالہ کورس

الدراسات الاسلامیہ

میں داخلہ دلائیں۔

دورانیہ: 17 اگست 2020 تا 17 اگست 2022

اوقات: 07:00 صبح تا دوپہر 01:00 بجے

اہلیت:

1- کم از کم میٹرک فرسٹ ڈویژن (مع اضافی قابلیت) ترجیحاً ایف اے بی اے

2- عمر کم از کم 16 سال 3- حافظات/فاضلات کیلئے مخصوص نشستیں

مدیر: ام عبد اللہ
(مفت محمد امجد علی صاحب دہلوی)

0300 5383998
051 2307655

معہہ التقیہ والتبیین

جامع مسجد اقصیٰ سٹریٹ نمبر 13، F-6/3 اسلام آباد

M O N T H L Y
AL-MAHAJJA

ONLINE



SEPTEMBER 2020
ISSUE NO: 04